ذِکرِ نادِر

یادگارِ سلف، شیخ طریقت، داعی الی اللہ، عاشق علم و مطالعہ
ڈاکٹر نادر علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مختصر تذکرہ

محمّد مصعب عفی عنہٗ
خادم دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند

ناشر
مکتبہ علم و فقہ دیوبند

تقریظ

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی دامت برکاتہم
مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جناب ڈاکٹر نادرعلی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بندہ کی چند ہی بار ملاقات ہوئی ہے، ایک بار بنگلہ والی مسجد میں، ایک بار ''بنارس'' کے ایک اجتماع کے دَوران خواص کی مجلس میں خطاب کے وقت، ایک بار میل وشارم میں حضرت مولانا قاری امیرحسن صاحب علیہ الرحمہ کے ساتھ اعتکاف میں اور آخری بار ''علی گڑھ'' میں، ہرملاقات میں ان سے محبت اور اُنسیت میں اضافہ ہی ہوتا رہا، ان کی تواضع اور خوردنوازی کا جوہر ہرملاقات میں نمایاں رہا؛لیکن ان مختصر ملاقاتوں میں ان کا اصل امتیاز اوران کی زندگی کا قابلِ رشک پہلوعلم میں نہیں آسکا۔

اس سے واقفیت پیشِ نظر کتاب ''ذکرنادر'' کے ذریعہ ہوئی اور وہ ہے ڈاکٹر نادرعلی خاں صاحب کا ذوقِ مطالعہ، کتابوں سے محبت اور اہلِ علم سے تعلق اوران کا احترام۔

پیشِ نظر کتاب ''ذکرنادر'' اگرچہ عزیز گرامی مفتی محمد مصعب صاحب معین مفتی دارالعلوم دیوبند کی ایک تاثراتی تحریر ہے، جوخود بھی علی گڑھ کے باشندہ ہیں اور انھیں ڈاکٹر صاحب سے ملاقات، ان کی خدمت میں حاضری اوران سے استفادہ کے مواقع بار بار ملے؛لیکن اس تحریر میں ڈاکٹر نادرعلی خاں صاحب کی علم دوستی، کتابوں سے والہانہ تعلق اور ذوقِ مطالعہ کے ذکر کے دَوران بہت مفید مضامین شامل کتاب ہوتے چلے گئے ہیں۔ کتاب دلچسپ اور معلومات افزا ہے،طلبہ اورعلماء کے لیے خاص طور پرقابلِ مطالعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اس خدمت کوقبول فرمائے اورقارئین کے لیے مفید بنائے۔

ابوالقاسم نعمانی غفرلہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند

۲۴/ ۲/ ۱۴۴۴ھ = ۲۲/ ۹/ ۲۰۲۲ء

دعائیہ کلمات

حضرت اقدس مولانا عاقل صاحب دامت برکاتہم

ناظم وشیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دعوتی وتبلیغی حلقوں میں محترم ڈاکٹر نادر علی خاں صاحبؒ کا نام اور آپ کی مساعیٔ جمیلہ محتاجِ تعارف نہیں، نصف صدی سے زائد عرصہ تک آپ دعوت وتبلیغ کے کام سے وابستہ رہے اور مقامی، ملکی، اور عالمی ہر سطح پر نہایت گراں قدر مخلصانہ خدمات انجام دیں؛ مگر آپ ایک داعی اور مبلغ سے پہلے، اَذکار واوراد اور معمولات ووظائف کے پابند، علم ومطالعہ کے شوقین، بزرگوں اور علماء کے قدرداں، ایک مخلص اور سچے مسلمان اور ایک تربیت یافتہ خادم دین تھے۔

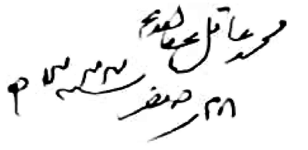
خود کو ہمیشہ اہل اللہ اور اہلِ علم سے وابستہ رکھا اور اُن کی زیرِ نگرانی ہی دعوت وتبلیغ کی خدمات انجام دیتے رہے؛ اِسی لیے آپ کو منجانب اللہ مقبولیت اور محبوبیت عطا ہوئی تھی، ہر حلقے کے لوگ آپ کا ادب واحترام کرتے اور آپ سے تعلق اور محبت رکھتے، آپ کا اصلاحی تعلق پہلے حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ سے ہوا، حضرتؒ کی وفات کے بعد حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ سے، اُن کی وفات کے بعد حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ (خلیفہ حضرت شیخ) سے اور ان کی وفات کے بعد از راہِ حسنِ ظن اور شفقت بندہ سے تعلق رکھنے لگے تھے۔

ابھی گزشتہ رمضان المبارک (۱۴۴۳ھ) میں اکیسویں شب میں اچانک حادثۂ وفات کی خبر موصول ہوئی، سخت صدمہ ہوا، اللہ تعالیٰ آپ کی بال بال مغفرت فرمائے، اور تمام خدماتِ دینیہ کو شرفِ قبول مرحمت فرمائے، آمین۔

آپ کو متعدد مشائخِ وقت سے اجازتِ بیعت بھی حاصل تھی، پوری زندگی آپ بھی اپنے احباب اور متعلقین کی تربیت فرماتے رہے، آپ کے تربیت یافتہ حضرات کا ایک وسیع حلقہ ہے، اُن ہی میں محترم جناب حکیم عبدالمنان صاحب زید مجدہٗ بھی ہیں، جن کے صاحبزادے عزیزم مفتی محمد مصعب سلّمہٗ (معین مفتی دارالعلوم دیوبند) ازراہِ سعادت مندی مجھ سے تعلق رکھتے ہیں، انھوں نے ڈاکٹر صاحب مرحوم کے کچھ حالات وافادات مرتب کیے ہیں، اور انھیں شائع کرنا چاہتے ہیں۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف سلّمہٗ کی اِس کوشش اور کاوش کو مفید اور نافع بنائیں اور ڈاکٹر صاحب مرحوم کے لیے صدقۂ جاریہ بنائیں، آمین۔

وصلّی اللہ وبارك وسلم علیٰ سیّدنا ونبینا محمد وآله وصحبه أجمعین، وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین.



تاثرات

حضرت مولانا شاہد صاحب سہارنپوری دامت برکاتہم

امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

مخدومنا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی، رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف اور امیر التبلیغ حضرت مولانا محمد انعام الحسن رحمہم اللہ تعالیٰ کی عزم وعزیمت اور اخلاص وللّٰہیت سے بھرپور زندگی اور ان حضرات کے فیض صحبت سے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں دعوت وتبلیغ کی راہ سے امتیازی شان کے بندگانِ خدا کا جو ایک مجموعہ تیار ہوا تھا؛ ان میں محترم نادر علی خاں کا اپنا ایک الگ ہی مقام تھا۔

اس مجموعہ کے متعدد بلند قامت حضرات مثلاً پروفیسر احرار الحق صاحب، پروفیسر سلمان بیگ صاحب اور حال ہی میں پروفیسر نادر علی خاں؛ اللہ کے حضور میں حاضر ہو چکے ہیں، اب جو باقی ہیں اللہ تعالیٰ ان کی عمر اور صحت میں بیش از بیش برکت عطا فرمائے۔

جہاں تک اس احقر کا اندازہ ہے ان سب حضرات نے حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے زمانۂ حیات کے مقابلہ میں حضرت مولانا محمد انعام الحسنؒ کا عرصۂ حیات زیادہ قریب سے دیکھا اور اس کا طویل مشاہدہ کیا جس کے نتیجہ میں یہ تمام حضرات دعوت وتبلیغ کے نہ صرف کلیدی مقام کو پہنچے؛ بلکہ اپنے اندر داعیانہ صفات کے ساتھ ساتھ اس کام کی نزاکتوں اور باریکیوں کو بھی خوب سمجھا اور خوب سیکھا اور اسی وجہ سے یہ سب حضرات حضرت جی ثالث کے مقرب ہی نہیں؛ بلکہ ان کی نگاہ میں معتمد اور معتبر اور مؤثر شخصیات جانے جاتے تھے۔

چنانچہ ان حضرات نے ملکوں کے سفر کیے، مشرق میں پیغامِ حق پہنچایا اور مغرب کی وادیوں میں ان کی اذانیں گونجیں، کام کو استحکام ملا، کام والوں کو استقلال ملا اور انتہائی اخلاص واستخلاص کے ساتھ اسی کام کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا کر کرتے کرتے مر گئے اور مرتے

مرتے کر گئے، اللہ جل شانہٗ ان کی حسنات کو قبول فرمائے، اور اب جو باقی ہیں محترم پروفیسر خالد صدیقی صاحب، محترم ثناءاللہ خان صاحب اور اسی سطح کے دیگر حضرات اللہ جل شانہٗ ان کی حیات اور ان کے اعمال میں برکت عطا فرمائے اور ہم سب کو اپنے بڑوں کے ساتھ وابستہ رکھے۔

عزیزم مولانا محمد مصعب سلمہ (معین مفتی دارالعلوم دیوبند) نے اپنی مرتبہ کتاب ''ذکرِ نادر'' احقر کو اس فرمائش کے ساتھ بھیجی کہ اس پر کچھ لکھوں؛ چنانچہ تعمیل ارشاد میں یہ چند سطور لکھی جارہی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو قبول فرمائیں، مثمر ثمرات وبرکات فرمائیں۔ والسلام

بندہ محمد شاہد غفرلہٗ سہارنپوری

امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

یکم ربیع الاوّل ۱۴۴۴ھ/ ۲۸ر دسمبر ۲۰۲۲ء

❑❖❑

تقریظ

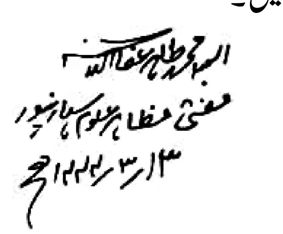
حضرت مولانا مفتی محمد طاہر صاحب دامت برکاتہم

استاذ حدیث ومفتی جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

باسمہٖ تعالیٰ

پروفیسر نادرعلی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ دعوت وتبلیغ سے منسلک اور اس کے نمایاں کارکنان اور ذمہ داران میں سے تھے؛ نیز اکابرومشائخ سے فیض یافتہ اوران کے منظورِنظر تھے، ضابطہ میں تو انھوں نے دنیوی تعلیم حاصل کی تھی؛ مگر اکابرومشائخ کے فیض صحبت کے نتیجہ میں ان کا دینی مطالعہ بھی وسیع تھا، علم کے قدردان تھے اور علماء سے احترام وعقیدت کا تعلق تھا، کتابیں پڑھنے اور خریدنے کا شوق تھا، حدیث وتفسیر اور تاریخ پر گہری نظر تھی؛ چنانچہ ان کے پاس کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا تھا، دوسروں کو بھی مطالعہ اور کتب بینی کی جانب توجہ دلاتے رہتے تھے، اِس طرح پروفیسر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو علم اور اہلِ علم سے گہری وابستگی اور مناسبت حاصل تھی، جس کے نتیجہ میں ان میں اعتدال وتوازن، رعایتِ حدود اور فرقِ مراتب کا وصف نمایاں تھا اور وہ ایک گونہ عالمانہ شان رکھتے تھے۔

عزیزم مفتی محمد مصعب سلّمہٗ معین مفتی دارالعلوم دیوبند نے پیشِ نظر رسالہ میں پروفیسر صاحبؒ کی زندگی کے مذکورہ پہلو پر روشنی ڈالی ہے اور اس کو بڑے سلیقہ سے مرتب کیا ہے، اس سے قبل بھی ان کی کئی مفید کتابیں شائع ہوچکی ہیں اللہ تعالیٰ اس کاوش کو بھی قبول فرمائے اور مزید دینی وعلمی خدمات کی توفیق بخشے۔ آمین۔



ابومحمد طاہر عفااللہ عنہ
مفتی مظاہر علوم سہارنپور
۱۳/۳/۱۴۴۴ھ

ذکرِ نادر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رمضان ۱۴۴۳ھ کی اکیسویں شب تھی، بندہ اپنے محلہ وادی اسماعیل/علی گڑھ کی مسجد میں معتکف تھا، تراویح کے بعد میرے مشفق استاد محترم حضرت مولانا سعید مرغوب صاحب دامت برکاتہم معتکف میں تشریف لائے اور دیر رات تک اپنے افادات سے مستفیض فرماتے رہے، دوران گفتگو انھوں نے فرمایا کہ:

”ڈاکٹر نادر صاحب نے حکم فرمایا ہے کہ حضرت مولانا محمد یحیٰ کاندھلوی قدس اللہ تعالیٰ سرہ کی سوانح مرتب کرو، میں نے مطالعہ شروع کردیا ہے اور مواد جمع کررہا ہوں اھ“۔

حضرت استاد محترم کے تشریف لے جانے کے بعد بندہ اپنے معمولات میں لگ گیا، رات تقریبا تین بجے معلوم ہوا کہ بارہ بجے شب میں ڈاکٹر نادر علی خاں صاحب انتقال فرما گئے، کسے معلوم تھا کہ رات جس وقت ان کے متعلق گفتگو ہورہی تھی، وہی وقت ان کے اس دنیا سے رخصت ہونے کا تھا، بندہ اس خبر کو پڑھ کر دھک سے رہ گیا، اس سفر میں ان سے استفادے کے لیے بہت کچھ سوچ رکھا تھا؛ لیکن اُس شہنشاہ مطلق کا فیصلہ ہماری خواہشات اور تمناؤں کے تابع نہیں ہوا کرتا ہے۔

نادر صاحب کی شخصیت ہمہ جہت تھی، ان کی زندگی کے بہت سے روشن اور سبق آموز پہلو ہیں، جن پر مستقل لکھا جاسکتا ہے اور لکھنے کا اصل حق تو ان شخصیات کو حاصل ہے جنھوں نے ان کی طویل صحبتیں اٹھائی ہیں، ان کی خلوت وجلوت کو دیکھا ہے اور تقریباً ایک صدی تک زندگی کے نشیب وفراز اور حالات کے اتار چڑھاؤ میں ان کی اولو العزمی اور ثابت

قدمی کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے، مجھے اپنی کم عمری کی وجہ سے زیادہ صحبت اٹھانے کا موقع حاصل نہ ہوسکا، پھر ایسی بلند قامت شخصیت پر لکھنے کے لیے جو صفات مطلوب ہوتی ہیں، بندہ ان سے تہی دامن ہے، تاہم اپنے مشفق ومربی والد محترم اور نادر صاحب کے خصوصی تربیت یافتہ دوسری شخصیات کے تعاون سے طالب علمانہ تاثرات پیش کرنے کی کوشش کررہا ہوں، عجب نہیں کہ اللہ جل شانہ اس کی برکت سے مجھ سیاہ کار کو بھی روز قیامت بزرگان دین کے قدموں میں جگہ نصیب فرمادے۔

حضرت نادر صاحبؒ اُس دور کے افراد میں سے تھے جن کی تعداد اب گھٹتے گھٹتے کافی کم ہوچکی ہے، وہ اتباع سنت اور انابت الی اللہ کے سانچے میں ڈھلے ہوئے سلف کے یادگار تھے، علم وفضل کی دنیا میں کبھی کمی نہیں رہی؛ لیکن اخلاص اور دین کی سچی تڑپ اور امت کے تئیں شفقت وخیرخواہی وہ جنس گراں ہے جو کہیں خال خال ہی ملتی ہے، اس اعتبار سے نادر صاحب کی وفات ملت کا ایسا نقصان عظیم ہے جس کی تلافی ممکن نہیں۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے منسلک رہنے والی چند شخصیات ایسی گذری ہیں جنھوں نے مادیت کے ماحول میں رہتے ہوئے دین وشریعت کی عظمت ووقعت اور دنیا سے بے رغبتی کی ایک سنہری مثال پیش کی ہے، نادر علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایسی شخصیات کے بلاشبہ گل سرسبد تھے، انھوں نے اسلامی شعائر کو پوری خوداعتمادی اور عزت ووقار کے ساتھ اختیار کیا اور آخر دم تک اپنی یہ آن برقرار رکھی۔

علم ومطالعہ سے عشق

بندہ کی یادداشت میں نادر صاحبؒ سے سب سے پہلی ملاقات کا اِس وقت ایک دھندلا سا نقشہ ہے، جب بندے کی عمر غالباً پندرہ یا سولہ سال کی تھی، بنگلہ والی مسجد کے بائیں جانب مشہور دوچھتی پر ان کے حجرہ میں حاضر ہوا، وہاں دیکھتا ہوں کہ حجرے میں کتابیں ہی کتابیں

رکھی ہوئی ہیں اور ایک دبلے پتلے، نہایت چست اور پھرتیلے بزرگ تشریف فرما ہیں، ملاقات کے بعد جیسے ہی گفتگو شروع ہوئی تو سورہ فاتحہ سنانے کے لیے کہا، بندے نے سورہ فاتحہ سنائی، جس میں انھوں نے کئی غلطیاں نکالیں اور تجوید کی گاڑھی اصطلاحات ذکر کرتے ہوئے خود تصحیح فرمانے لگے، یہ بھی یاد آتا ہے کہ دوران گفتگو انھوں نے لمبی لمبی عبارتیں زبانی پڑھ کر سنائیں، احادیث پڑھیں، قرآنی آیات پڑھیں اور مشہور مفسرین، محدثین اور مورخین کے حوالے سے اپنی بات کو مدلل فرماتے رہے۔

اس ملاقات کے بعد ہی سے ان کے علم کا ایسا رعب طاری ہوگیا کہ دوبارہ حاضر ہونے میں تکلف ہونے لگا کہ معلوم نہیں کیا امتحان لے لیا جائے اور ناکامی ہاتھ آئے۔

یہ تھا نادر صاحب کے علم ومطالعہ کے حوالے سے بندہ کا پہلا نقش جس میں آگے چل کر اضافہ ہی ہوتا گیا، یہاں تک کہ جب شعور وآگہی کی عمر کو پہنچا اور نادر صاحب کو قریب سے دیکھنے اور سننے کا موقع ملا تب یہ حقیقت کھلی کہ یہ بزرگ دراصل علم ومطالعہ کے رسیا ہیں، خصوصاً تفسیر، حدیث، تاریخ اور سلف کے واقعات کا گہرا مطالعہ رکھتے ہیں اور اپنی غیر معمولی ذہانت کی وجہ سے صفحات کے صفحات زبانی یاد کر لیتے ہیں اور برجستہ سناتے چلے جاتے ہیں۔

دوسری طرف کارزار حیات میں جب ان کے بے مثال طرز فکر اور حیرت انگیز طرز عمل پر غور کرنے کی توفیق ہوئی، تو ان سے عقیدت بڑھتی چلی گئی، کتنے ہی مواقع پر ان کے دوراندیش مشوروں سے الجھنیں دور ہوئیں، کام کرنے کا حوصلہ ملا اور فکر ونظر کو صحیح سمت پر قائم رکھنے کے لیے ان کا بھرپور سہارا ملتا رہا۔

حاشیہ کا استحضار

جب وہ مستقل علی گڑھ میں مقیم ہو گئے تھے، تو جب بھی ان کی مجلس میں حاضری ہوتی،

اکابر کی کوئی کتاب سننے کا موقع ملتا، ایک دفعہ دار العلوم دیوبند کے بعض طلبہ کے ساتھ بندہ حاضر ہوا، تو انھوں نے ایک کتاب پڑھنے کے لیے دی، تقریباً پون گھنٹے تک بندہ پڑھتا رہا درمیان میں ایک جگہ فرمایا کہ اس عبارت کا حاشیہ بھی پڑھو تو حیرت ہوئی کہ ان کو متن کے ساتھ حاشیہ بھی مستحضر ہے اور یہ بھی یاد ہے کہ کس موقع پر حاشیہ لگا ہوا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو کتاب سن رہے ہیں، اس کا مطالعہ وہ خود پہلے کر چکے ہیں، نوے سال کی عمر میں کتاب سے ایسا تعلق اور علم سے ایسی وابستگی سلف کے واقعات یاد دلاتی تھی اب دنیا ایک ایسی ہستی سے محروم ہوگئی جس نے اسلاف کے کتابی واقعات کا جیتی جاگتی زندگی میں اپنے عمل سے مشاہدہ کرایا تھا، اللہ ان پر اپنی رحمتوں کی بارش برسائے کہ علم دین کا سچا اور مخلص عاشق رخصت ہوگیا اور اب ایسا مہیب خلا محسوس ہوتا ہے جس کا پر ہونا شاید مشکل ہے۔

علم دین کی لذت

درحقیقت علم دین ہے ہی ایک ایسی عظیم اور باعزت چیز کہ جو بھی اسے اس کا حق دے گا اور اس کی تعظیم وتکریم کرے گا، علم اسے عظمتوں سے نوازے گا اور بلندی عطا کرے گا، علم دین کی خاطر مشقت آمیز اور صبر آزما سفرِ دراز میں بے پناہ لذت ملتی ہے، افسوس کہ اس وقت ہماری نئی نسل اِس لذّت سے نا آشنائے محض ہوتی جا رہی ہے؛ اِسی لیے اس دور میں فکر ونظر کی پختگی ختم ہو رہی ہے اور سطحیت عام ہو رہی ہے۔

فروغِ شمع جو اَب ہے؛ رہے گی رہتی دنیا تک
مگر محفل تو پروانوں سے خالی؛ ہوتی جاتی ہے

شمعِ علم تو جلتی رہے گی؛ لیکن تشویش کی بات یہ ہے کہ اُس پر نثار ہونے والے پروانے اب ناپید ہوتے جا رہے ہیں۔ (پس مرگ زندہ)

وسعتِ مطالعہ

نادر صاحب علم دین کے حصول کے تئیں بلند ہمت رکھتے تھے، انھوں نے اپنی زندگی کے اوقات کی بھرپور حفاظت کی اور لمحہ لمحہ کی قدر کرتے ہوئے کتب خانے کھنگال ڈالے ان کا مطالعہ اتنا وسیع تھا کہ جب بھی ان کے سامنے کسی مشہور مصنف کی کتاب کا تذکرہ کیا جاتا، تو برجستہ فرماتے کہ میں نے اس کا مطالعہ کر رکھا ہے، ایک موقع پر دارالعلوم دیوبند کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری قدس سرہ کے بارے میں فرمایا کہ میں نے ان کی ساری کتابیں پڑھ رکھی ہیں، حالانکہ حضرت مفتی صاحبؒ کی کئی کئی جلدوں میں کتابیں ہیں۔

کتابیں میری کمزوری ہیں

آخر عمر تک ان کے مطالعہ کے معمول میں فرق نہیں آیا، ایک خاص بات یہ تھی کہ جو کتابیں وہ پڑھ چکے ہوں، اگر کوئی ان کو وہی کتاب پیش کرتا تو نہایت شوق و رغبت سے اس کو قبول فرماتے اور اس کی خوبیاں بیان فرماتے، کتاب خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، سب کو اہمیت دیتے اور وسعت مطالعہ کے باوجود ہمیشہ علم کی طلب ہی میں رہتے، وہ کہا کرتے تھے کہ کتابیں میری کمزوری ہیں، فرمایا کرتے تھے کہ میں کتاب ایک بار دیکھتا ہوں تو وہ میرے اندر اتر جاتی ہے، حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تصنیف سیرۃ المصطفیٰ کی خوب ترغیب دیتے تھے، حضرت مفتی فاروق صاحب میرٹھیؒ کی کتابوں کو بھی خوب سراہتے، حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب قدس سرہ کے قلم کے بہت بڑے مداح تھے، فرماتے تھے کہ جس موضوع پر بھی کام کیا ہے، قلم توڑ دیا ہے، معارف الحدیث کے بارے میں فرماتے کہ یہ ایک کتاب آدمی کی آخرت کے لیے کافی ہے، فرماتے: حضرت مولانا منظور صاحب کتاب لکھ کر اپنی اہلیہ کو سناتے اور پوچھتے کہ سمجھ میں

آیا، جب وہ کہہ دیتیں کہ سمجھ میں آ گیا تو مطمئن ہو جاتے کہ عوام اس سے فائدہ اٹھا سکتی ہے تاریخ دعوت وعزیمت کی بھی ترغیب دیتے، امام نوویؒ کی الاذکار کا بھی ذکر فرماتے اور حصن حصین کا بھی تذکرہ کرتے، بیان القرآن کی بہت تعریف کرتے تھے، فرماتے کہ تفسیر میں جب کبھی گاڑی پھنستی ہے تو اسی سے نکلتی ہے، شمائل ترمذی کی ترغیب دیتے، کچھ دن شمائل کبری کا بھی تذکرہ کیا، تذکرۃ الرشید اور تذکرۃ الخلیل کی بھی ترغیب دیتے اور تاریخ مشائخ چشت کی طرف بھی متوجہ فرماتے، تربیۃ السالک کی بہت تعریف فرماتے۔

مصنفین کی حوصلہ افزائی

وہ کتاب اور مضمون لکھنے والوں کو بہت سراہتے اور حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے، مجھے یاد ہے کہ جب تبدیلی جنس پر میرا پہلا مضمون ماہنامہ ندائے شاہی میں شائع ہوا، تو بہت سے لوگوں کے سامنے اس کا تذکرہ کیا اور براہ راست میری اتنی حوصلہ افزائی فرمائی کہ مجھے شرمندگی محسوس ہونے لگی۔

کتابوں کے سلسلے میں ان کا ایک معمول یہ تھا کہ ہمیشہ اچھی کتاب کی تلاش میں رہا کرتے تھے اور جو کتاب دستیاب نہ ہوتی، اس کو تلاش کرواتے تھے، بہت سے قریبی تعلق رکھنے والوں نے انٹرنیٹ کے ذریعے سے انھیں کتابیں نکال کر پہنچائیں۔

ایک اہم معمول

ان کا مستقل ایک معمول تھا کہ ملنے والے نوجوانوں کو کتاب کی نشاندہی کر کے ان سے کتابیں خریدواتے تھے اور پھر امتحان بھی لیا کرتے تھے، انھوں نے مطالعہ کروانے کے لیے ایک مستقل فہرست بنا رکھی تھی، خاص طور پر حضرت شیخ کی کتابیں: اکابر کا تقوی، اکابر کا رمضان، اکابر کا سلوک و احسان اور اسلامی سیاست کی طرف توجہ دلایا کرتے تھے، کتب خانے والوں کو بھی متوجہ فرماتے تھے کہ فلاں کتابیں اپنی دکان میں رکھا کرو۔

آج کا المیہ

افسوس کہ آج علم دین اور دینی کتابوں کے مطالعہ کی طرف توجہ کم ہوتی جارہی ہے اور ہمارے معاشرے میں اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت اتنی بڑھ گئی ہے کہ نماز جیسی اہم عبادت جو روزانہ پانچ بار پڑھنا فرض ہے اور اس کو پڑھتے ہوئے شرائط وارکان کے ہر جزء اور ہر موقع پر بے شمار صورتیں پیش آتی ہیں؛ مگر اس کے باوجود بہت کم دیکھا جاتا ہے کہ اِن احکام ومسائل کو لوگ دریافت کرتے ہوں۔

ہمارے بزرگوں میں دارالعلوم دیوبند کے سابق صدر مفتی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کی تراسی سال کی عمر میں وفات ہوئی، بچپن سے دین ہی پڑھنا شروع کیا، ساری عمر دین ہی کی تعلیم دی اور فتوے لکھے، ایک مرتبہ فرمایا کہ میری ساری عمر فقہ پڑھنے پڑھانے میں گزری؛ لیکن اب بھی بعض اوقات نماز پڑھتے ہوئے ایسی صورتِ حال پیدا ہوجاتی ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کیا کروں، چنانچہ نماز پڑھنے کے بعد کتاب دیکھ کر یہ پتہ لگاتا ہوں کہ میری نماز درست ہوئی یا نہیں؟ لیکن میں لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ کسی کے دل میں یہ خیال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ نماز درست ہوئی یا نہیں؟ بس پڑھ لی اور سنت کے مطابق ہونے یا نہ ہونے کا خیال تو بہت دور کی بات ہے۔ (اصلاحی خطبات، ملخصاً)

نادر صاحب نے نماز کے موضوع پر مولانا ارشاد فاروقی صاحب کی کتاب ''احکام وآداب طہارت، وضوء اور نماز'' کی طرف بہت متوجہ فرمایا اور بعض کتب خانوں میں یہ کتاب اہتمام سے منگوا کر رکھوائی۔

الغرض! نادر صاحب پوری زندگی ہر طبقہ کو اس طرف متوجہ فرماتے رہے کہ ہر مسلمان کے لیے خواہ مرد ہو یا عورت، شہری ہو یا دیہاتی، امیر ہو یا غریب؛ دین کا علم حاصل کرنا فرض ہے اور علم حاصل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دین کی باتیں سیکھی جائیں اور عوام کے

لیے اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ کسی ماہر عالم دین سے معتبر کتابیں سننے کا اہتمام کیا کریں اور اگر خود پڑھنا جانتے ہوں تو خود بھی پڑھیں۔

نادر صاحب کا کتب خانہ

علم دین کے ساتھ اُن کے عشق ولگن کا سب سے بڑا ثبوت ان کا وہ عظیم کتب خانہ ہے جو انھوں نے انتقال سے کئی سال پہلے علی گڑھ کے مشہور مدرسہ معاذ بن جبل کو وقف کر دیا تھا یہ میری سعادت کی بات ہے کہ لاک ڈاؤن کے دوران الحمدللہ اس کتب خانے کی اکثر کتابوں پر نظر ڈالنے کی توفیق ملی، بندہ حیرت میں پڑ گیا کہ علم تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، ادب، تصوف وغیرہ ہر فن کے نہایت قیمتی اور نادر مصادر جمع ہیں، خصوصاً سیرت وسوانح کے موضوع پر شاید ہی کوئی اہم کتاب ایسی ہو جو موجود نہ ہو، علمائے دیوبند کی سوانح حیات ان کا خاص موضوع تھا، اس تعلق سے وہ معلومات کا خزانہ تھے اور انھوں نے اس سلسلے میں بڑا نادر مواد جمع کر رکھا تھا، مجھے ڈاکٹر عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف معارف حکیم الامت کی ضرورت تھی، دار العلوم دیوبند کے کتب خانے میں تلاش کیا؛ لیکن ناکام رہا، دیوبند اور دہلی کے کتب خانوں میں بھی نہیں مل سکی، نادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کتب خانے میں اِس کتاب کا ایک قدیم نسخہ مل گیا، جس کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں، اس کے علاوہ قدیم رسائل کا بھی ایک بڑا ذخیرہ وہاں موجود ہے۔

سلف کے طریقے پر حصول علم

نرا مطالعہ بسا اوقات راہ راست سے بھٹکا دیتا ہے اور ایسے شخص کا مطالعہ جب اس کی فہم وسمجھ سے بڑھ جاتا ہے تو وہ مطالعہ خود اس کے لیے اور دوسروں کے لیے مہلک ثابت ہوتا ہے؛ لیکن نادر صاحب نے صرف مطالعہ پر اکتفا نہیں کیا تھا؛ بلکہ انھوں نے سلف کے طریقے پر علمائے ربانیین کی صحبت اٹھا کر فہم وادراک کو جلا بھی بخشی تھی، اپنے دور کے عظیم

محدث حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہ کی صحبت میں مہینہ مہینہ قیام فرماتے تھے، جوحضرات تعلیم وتربیت کے تعلق سے حضرت شیخ کے طرزعمل سے واقف ہیں، وہ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ ان کی زیرتربیت ایک ذہین وفطین شخص کی کم ازکم فہم پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، اس لیے بغیرکسی تردد کے یہ بات لکھی جاسکتی ہے کہ نادرصاحب مطالعہ وتحقیق کی راہ میں نہ صرف صراط مستقیم پر گامزن رہے؛ بلکہ بہت سے علمائے دین کے لیے رہبروہادی بن گئے وہ نہایت ذہین وفطین اور بلند ہمت تھے، تحقیق وتنقید کے اصول پر ان کو دسترس حاصل تھی، اردوزبان میں تخصص کی وجہ سے ان کے مطالعہ کی رفتار خاصی تیز تھی، ذہانت وفطانت کی وجہ سے معانی ومفاہیم کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے، پھراخذ وترک میں بھی ان کو کافی ملکہ حاصل تھا، اس لیے کتابوں کے جواہرات خوب محفوظ کرلیتے تھےاوران کو سنایا کرتے تھے۔

عالمانہ بیان

نادرصاحب کی تقریر بڑی عالمانہ ہوتی تھی، وہ بیانات میں قرآن کریم کی آیات، احادیث مبارکہ اورسیرت وتاریخ کے مستند واقعات خوب بیان فرماتے اوران سے برمحل استنباط بھی فرماتے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان کے بیانات کے چندنمونے پیش کردیے جائیں جن سے اُن کی فصاحت وبلاغت، وسعتِ مطالعہ، قوتِ استنباط، یقین کی پختگی اورعالمانہ ذوق ومزاج جیسی صفات ظاہرہوتی ہیں۔

فرماتے تھے:

● جب یہ ایمان آجاتا ہےتو پھراتنی طاقت آجاتی ہے کہ کوئی سلطان، سلطان نہیں ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٦﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ

وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۖ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴿۲۷﴾

ہم ایسے اللہ کو مانتے ہیں جو ملکوں کا مالک ہے، جسے چاہے ملک دے، جس سے چاہے لے لے، جسے چاہے عزت دے، جسے چاہے ذلیل کردے، وہ سب خوبیوں کا مالک ہے، ذرّے ذرّے پر وہ قدرت رکھتا ہے، ایسے معبودانِ باطل کو ہم نہیں مانتے کہ ناک پر مکھی بیٹھ جائے تو اُڑا نہ سکے اور کتا ٹانگ اُٹھا کر پیشاب کرنے لگے تو ہٹا نہ سکے، ایسوں کو نہیں مانتے۔

● آدمی محبوبیت چاہے، یوں چاہے، آنکھ کا تارا بن جائے، دل کا ٹکڑا بن جائے، محبوبِ خلائق ہوجائے، یوں فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴿۹۶﴾﴾ جو ایمان اور عملِ صالح اختیار کرے، اللہ اسے محبوبِ خلائق بنادے، کسی حکومت کی ضرورت نہیں اُس کے لیے، حدیث میں آیا کہ: جنت کی دعا کرو تو جنت الفردوس کی دعا کرو؛ اِس لیے کہ جنتوں میں سب سے افضل جنت ہے ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴿۱۰۷﴾﴾ جو ایمان اور عملِ صالح کا سرمایہ لے کر آئے گا، اللہ جل شانہٗ اسے جنت الفردوس عطا فرمائے گا۔

● علامہ اقبالؒ کے کلام کی شرح لکھی ہے یوسف سلیم چشتی نے، انھوں نے ایک روز علامہ سے کہا کہ: مسلم متکلمین نے وجودِ باری کے اثبات میں جو دلائل دیے ہیں وہ مشہور فلسفی کانٹ نے سب رَد کردیے، اب وکالت کی اور دفاع کی کیا صورت ہوگی؟ علامہ تو عالمی سطح کے فلسفی تھے، کہا کہ: اس کے لیے استدلال کی ضرورت نہیں، وجدان کی ضرورت ہے، عقیدے کی بنیاد تو وجدان پر ہے، دلیل پر نہیں ہے۔

● امام فخر الدین رازیؒ کا آخری وقت تھا، نجم الدین کبریٰؒ ان کے شیخ تھے،

خادم نے لوٹا دیا وضو کے لیے، حضرت کیا بات ہے؟ کہا کہ فخرالدین رازی کا آخری وقت ہے، اور ابلیس آکر استدلال کررہا ہے وجودِ باری میں اور وہ دلیل دے رہے ہیں، مَیں نے کہا: کہہ کیوں نہیں دیتا کہ مَیں بے دلیل مانتا ہوں، ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ﴾ اس کتاب سے اسے ہدایت ملے گی، جو غیب کی خبروں پر نظر کے خلاف یقین رکھتا ہے۔

● اللہ جل شانہٗ نے ہماری دنیا وآخرت کی کامیابی دین کے ساتھ وابستہ فرمائی ہے، اس نے ہماری کامیابی ایمان اور اعمال میں رکھی ہے، ملک ومال میں نہیں رکھی ہے، اللہ کے جتنے وعدے ہیں وہ ایمان اور اعمال پر ہیں، ان دونوں کے مجموعے کا نام ہی دین ہے، بس؛ دل کا یقین ٹھیک ہوجائے، جسم سے نکلنے والے اعمال ٹھیک ہوجائیں، بس کامیاب...... آدمی امارت وسیادت چاہتا ہے، حکومت وسلطنت چاہتا ہے، سرفرازی وسربلندی چاہتا ہے، فرمایا: ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ اللہ کا وعدہ ہے ایمان اور عملِ صالح پر، پہلے جس طرح لوگوں کو زمین پر حکومت دی، تمہیں حکومت دے دیں گے، نص قطعی ہے، اگر ایک فرد کی زندگی میں حقیقت کے اعتبار سے ایمان اور عملِ صالح آجائے گا، تو لاکھوں، کروڑوں دلوں پر حکومت دے دیتے ہیں، جیسے اولیاء اللہ کو دیتے رہے ہیں، اور من حیث القوم قوم کے اکثر افراد کے اندر جب یہ دوصفات پیدا ہوجائیں گی تو زمین پر بھی حکومت دے دیتے ہیں، خلیفہ عبدالرحمٰن ناصر نے ایک محل مدینۃ الزہراء کے نام سے بنانے کا ارادہ کیا اور سونے چاندی کی اینٹوں سے بنانے کا ارادہ تھا، ان کے قاضی القضاۃ امام منذر خطیب تھے اور اس وقت حالاتِ حاضرہ پر خطبے دیے جاتے تھے،

شیخ نے اس محل کے خلاف زبردست خطبہ دیا، رات میں خلیفہ کی نیند اُڑ گئی، ولی عہد نے پوچھا: حضرت! کیا بات ہے؟ کہا: آپ نے شیخ کا خطبہ نہیں سنا، کہا: ’’سنا‘‘، کیا پیسے سے اُس کا منہ بند نہیں کیا جاسکتا؟ کہا: ’’پوری دنیا دے کر اسے نہیں خریدا جاسکتا‘‘، کیا اسے شہید نہیں کرایا جاسکتا؟ کہا: نہیں کرایا جاسکتا‘‘؛ اِس لیے کہ ہماری اجسام پر حکومت ہے، اس کی دلوں پر حکومت ہے۔

● ایک سفر میں میاں جی عبداللہ ہمارے ساتھ تھے، تو ساتھیوں نے متوجہ کیا کہ میاں جی عبداللہ ایک ہی وقت کھانا کھا رہے ہیں، ایسا معلوم ہوا کہ پیسے کم ہیں، تو ایک ہی وقت پر کفایت کر رہے ہیں، میں انہیں تنہائی میں لے گیا، میں نے کہا: میاں جی! دوستوں سے یہ معلوم ہوا کہ آپ ایک ہی وقت کھانا کھا رہے ہیں، اگر پیسے کی کمی کی وجہ سے یہ کر رہے ہیں تو میں آپ کی خدمت کرنا چاہوں، کہا کہ: حضرت جی! یہ بات نا، یہ بات نا حضرت جی! جب میں رات کا کھانا کھالوں تو صبح کی نماز میں نُور نہ آوے، وہ یوں کہنے لگے: ’’قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلَاةِ‘‘ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے، ایک اَن پڑھ میواتی اس نے نماز پر محنت کی، کیسی نماز بن گئی؟ کہ حضرت جی! جب مَیں رات کا کھانا کھالوں تو صبح کی نماز میں، تہجد کی نماز میں نُور نہ آتا۔

● انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی سب سے زیادہ محنت اللہ کی طاقت منوانے پر خرچ ہوتی تھی ﴿يَاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝﴾ اللہ کی بڑائی بیان کرو؛ چونکہ ان کے پاس کوئی آتا تو نہیں تھا، ایک ایک کے پاس جاکر خود ہی سمجھاتے تھے، بس ایک کی طاقت کو مان لو، اس کے علاوہ کسی کی طاقت کو مت مانو اور چونکہ کامیابی، ناکامی، نفع ونقصان، عزت وذلت، صحت وبیماری، موت وحیات؛ اُسی ایک کے ہاتھ میں ہے، بس اسی ایک کی مانو،

اس کے علاوہ کسی کی مت مانو اور ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَ اللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴾ اے لوگو! تم سب فقیر ہو اور اللہ غنی ہے، تو فقیر فقیر کو کیا دے سکے، اسی ایک سے مانگو، اس کے علاوہ کسی سے مت مانگو، اور اسی ایک سے اُمید رکھو، اس کے علاوہ کسی سے اُمید مت رکھو۔

بس ایک کی طاقت کے ماننے کا نام ایمان ہے اور اس کی ماننے کا نام اسلام ہے اور اس سے مانگنے کا نام دعا ہے، اور اس سے اُمید لگانے کا نام توکل ﴿وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ جو اللہ پر توکل کرے، اللہ کافی ہوجاوے، اصل تو میر اللہ ہے، باقی تو سب مخلوق ہیں ﴿كُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ ۚ وَّ یَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ۚ﴾ آخر میں ملک الموت کو بلا کر فرمائیں گے تو بھی مرجا، تو وہ بھی مرجائے گا، پھر فرمائیں گے: آج کوئی مالک ہے؟ کوئی ہو تو جواب دے، خود ہی فرمائیں گے لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ایک غلبے والا اللہ، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی محنت اللہ کی بڑائی منوانے میں، اس کے اختیارات کو منوانے میں خرچ ہوتی تھی اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ جب وہ کسی بات کا ارادہ کرتا ہے، اس نے ''کُن'' کہا، ہوگیا، اسے پلاننگ بنانے کی حاجت نہیں۔ (اقتباسات مکمل ہوئے)

ایک تاریخی شہر میں ایمانی حرارت کے جو کچھ اثرات آج محسوس ہو رہے ہیں، بندے کے ناقص تجزیہ میں اس کی بنیاد اور جڑ پوری قوت وبصیرت کے ساتھ اسی ایک موضوع کا تکرار ہے کہ:

''دین اسلام میں حقیقی کامیابی کا تعلق ایمان ویقین کی پختگی اور اعمالِ صالحہ کے اہتمام سے ہے، ملک و مال اور دنیا کی چیزیں جمع کر لینے کا نام کامیابی نہیں ہے''۔

جس ماحول میں مادیت کے سارے اسباب مجتمع ہوں، ظاہر ہے کہ وہاں یہ دعوت اسی وقت موثر ہوسکتی ہے جب مکمل یقین و اعتماد کے ساتھ دی جائے اور دعوت دینے والوں کی زندگیاں اس دعوت کا عملی نمونہ بھی ہوں، اس مضمون کی بانگ لگانے والوں میں شاید نادر صاحب کو خاص امتیاز حاصل تھا کہ وہ برموقع قرآنی آیات کو پورے جلال کے ساتھ پڑھا کرتے تھے، جس کو سن کر سامعین کا دل دہل جاتا تھا اور سننے والے کچھ فیصلہ لینے پر مجبور ہوجاتے تھے، جب کہ عملی زندگی کا حال یہ تھا کہ یونیورسٹی کی ملازمت میں ترقی کی درخواست دینے میں ایک لمبی مدت تک توقف فرماتے رہے اور یہ کہتے رہے کہ جتنی تنخواہ مل رہی ہے، وہ میرے لیے کافی ہے ،وہ چاہتے تو اپنے لیے بہتر کوٹھی بنگلے بنواسکتے تھے؛ لیکن انھوں نے اپنے قیام کے لیے زمین بھی نہیں خریدی اور کرایہ کے مکان میں آخر تک مقیم رہے جسے دیکھ کر کُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ (دنیا میں ایسے رہو جیسے ایک پردیسی) کی عملی تفسیر سامنے آجاتی ہے۔

نادر صاحب نے پوری زندگی یہی دعوت دی کہ ایک اللہ کی مانو، اس کے علاوہ کسی کی مت مانو، اسی سے مانگو، اس کے علاوہ کسی سے مت مانگو، اسی سے امید رکھو، اس کے علاوہ کسی سے امید مت رکھو، فرماتے تھے:

> ''اُس ایک کی طاقت کے ماننے کا نام ایمان ہے، اس ایک کی ماننے کا نام اسلام ہے، اس سے مانگنے کا نام دعا ہے، اس سے امید لگانے کا نام توکل ہے''

چنانچہ خود ان کا یہی حال تھا، آج شاید ہی کوئی اس بات کو بتا سکے کہ انھوں نے کسی سے امید لگائی ہو، ایک نوجوان نے ایک بار کہا کہ میں آپ کو مسجد سے گھر چھوڑ دوں گا؛ لیکن پھر وہ بھول کر چلا گیا، اگلے دن اسے خیال آیا، تو اس نے پوچھا کہ حضرت! کل آپ کیسے گئے تھے؟ تو پوری قوت اور رعب دار آواز سے بولے مجھے میرا اللہ لایا، وہ بیان میں اکثر سونے سے پہلے کی دعا اِس خاص انداز سے پڑھا کرتے تھے کہ سننے والوں کا ایمان تازہ ہوجایا کرتا تھا، فرماتے تھے:

اللَّهُمَّ أسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ، وَفَوَّضْتُ أمْرِي إِلَيْكَ، وَألجأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ، رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ لا ملجأ وَلا منجا مِنْكَ إِلاَّ إِلَيْكَ، آمَنْتُ بِكِتابِكَ الَّذي أنْزَلْتَ، وَنَبِيِّكَ الَّذي أَرْسَلْتَ

(الاذکار للنووی:۱/ ۹۰، دارالفکر، بیروت)

پھر فرماتے جب دل کی یہ کیفیت بن جاتی ہے تو دعا کام کرتی ہے، وہ بیان میں اکثر حدیث نقل کرتے: اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں پراگندہ بال، غبار آلود، دروازوں سے دھکے دیے ہوئے، اگر اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ تعالی ان کی قسم کو پورا فرمادے، پھر مجمع سے سوال کرتے کہ بتاؤ ایسے لوگ کامیاب ہیں یا ناکام؟ ان کی شخصیت سراپا ایمان نظر آتی تھی۔

چند اہم ملفوظات

- دین کے کام کے چار شعبے ہیں: ایک دعوت وتبلیغ ہے، دوسرا درس وتدریس ہے، تیسرا تصنیف وتالیف ہے اور چوتھا تزکیۂ نفس ہے، یہ چاروں شعبے ایک دوسرے کے ساتھ جُڑے ہوئے ہیں، لازم وملزوم ہیں۔
- دین میں چھ چیزوں کو مقصد نہیں بنانا چاہیے: کشف وکرامات، مبشرات ومنامات، کیفیات وواردات، مقصود تو اعمال ہیں۔
- ایک باریک بات فرمایا کرتے تھے: اگر کسی بات پر علماء اور مشائخ میں اختلاف ہوگا تو علماء کی اتباع کرنی چاہیے۔
- ہم تقلید وتصوف کے قائل ہیں، یعنی ایک امام کی تقلید کریں گے اور کسی شیخ سے بیعت ہوں گے۔

علمائے دین کی قدر

نادر صاحب علمائے دین کا بے حد اکرام فرمایا کرتے تھے، ان کی دینی خدمات کا دل

سے اعتراف فرماتے تھے، مشاہیر علماء سے ان کے ذاتی روابط تھے اور یہ رابطہ محض علم دین کی قدر دانی کی نسبت پر تھا، یہی وجہ ہے کہ مصنفین کرام نادر صاحب کے پاس اپنی کتاب خاص طور پر بھجوایا کرتے تھے، بندے نے ان کے کتب خانے میں حضرت مولانا منظور نعمانی قدس سرہ اور دوسرے اکابر کی تصنیفات میں خود مصنف کتاب کی طرف سے ہدیہ و دستخط کی عبارتیں لکھی ہوئی دیکھی ہیں۔

اِدھر جب بھی ان کی خدمت میں حاضری ہوئی تو کسی نئی کتاب کا نسخہ ان کے کمرے میں موجود پایا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ہر مصنف شاید نادر صاحب کو اپنی کتاب کا سب سے زیادہ قدرداں خیال کرتا تھا کہ اس دنیا میں ایک شخص ایسا ہے جو کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھے گا اور بغور پڑھے گا، مجھے یاد ہے کہ حضرت مولانا فاروق صاحب میرٹھی نور اللہ مرقدہ نے جب حضرت گنگوہی قدس سرہ کی سوانح مرتب فرمائی اور نادر صاحب نے اس کا بالاستیعاب مطالعہ فرمایا تو کئی مہینوں تک وہ اپنی مجلس میں اس کتاب کا ذکر فرماتے رہے اور لوگوں کو اس کے مطالعے کی طرف توجہ دلاتے رہے، نادر صاحب فرمایا کرتے تھے کہ کتاب شروع سے آخر تک پوری پڑھنے کی ہوتی ہے۔

عوام کو علماء سے رابطہ رکھنے کی ترغیب

وہ اپنے بیانات میں عوام الناس کو علماء سے دینی رابطہ قائم رکھنے پر بہت زور دیا کرتے تھے اور عوام اور علماء کے مضبوط رابطہ کو ساری مشکلات کا حل سمجھتے تھے اور دونوں طبقوں کی دوری کو دشمنوں کا شاخسانہ خیال فرماتے تھے، یہ مضمون ان ہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

فرماتے ہیں: ''بتاؤ ایمانداری سے سائیکل سیکھنا آسان ہے یا ہوائی جہاز؟ اور اَلدِّیْنُ یُسْرٌ دین تو سائیکل سے بھی آسان ہے، جس کے دونوں ہاتھ نہ ہوں وہ بھی دین پر چل سکے، جس کے دونوں پیر نہ ہوں وہ بھی دین پر

چل سکے، جس کی دونوں آنکھیں نہ ہوں وہ بھی دین پر چل سکے، کیا سائیکل بھی چلا سکے؟ دین تو سائیکل سے بھی آسان ہے، آسان کیا ہے؟ جب کوئی حال پیش آئے، جاننے والوں سے اس کا حکم پوچھو، اَجی مَیں کھڑے ہوکر نماز نہیں پڑھ سکتا، کیا کروں؟ حکم آجائے گا، بیٹھ کر پڑھ لو، اَجی! اب تو بیٹھ کر بھی نہیں پڑھ سکتے، اب کیا کروں؟ حکم آجائے گا: لیٹ کر پڑھ لو، اَجی! اب تو مَیں وضو بھی نہیں کرسکتا، اب مَیں کیا کروں؟ حکم آجائے گا تیمم کرلو، اَجی! باہر تو سردی سخت ہے، اور مجھے ۱۰۴ر ڈگری بخار ہے اور مجھے تو نہانے کی ضرورت پڑ گئی، تو جتنے وضو کا تیمم ہے اتنا ہی غسل کا تیمم ہے، اس ناپاک کپڑے کو جسم سے الگ کردو، اس ناپاک جگہ کو اتنا ہی گرم پانی سے دھولو، ایک بار منھ پر پھیرلو، ایک بار کہنیوں تک پھیرلو، غسل ہوگیا، آسان ہے یا مشکل ہے؟ ہماری مشکل کیا ہے؟ کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں علماء ہمارے امام اور قائد تھے، دین کے دشمنوں نے حکمتِ عملی سے ان کی نفرت ہمارے دلوں میں کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے، اب میرے جیسا اَن پڑھ یوں کہے: اَجی! یہ مولوی ٹھیک ہوجاویں تو سب ٹھیک ہوجاوے، جس دن میرے بھائیو، دوستو، بزرگو! ہمارا علماء سے صحیح تعلق ہوگیا، ہماری ساری پریشانی ختم ہوجائے گی، ہم نیویارک سے چلے، گیارہ بج کر پچاس منٹ پر، ہفتے کی شب میں ہماری فلائٹ تھی، الاسکا (Alaska) میں جاکر ہم نے ہفتے کی فجر پڑھی، پھر انٹرنیشنل ڈیٹ لائن (International dateline) کراس (Cross) کی، تو جاپان سے پرواز کررہے تھے کہ اتوار کی فجر ہوگئی، اب ہفتے کی ظہر، عصر، مغرب، عشاء، چار نمازیں نہیں ملیں ہمیں؛ چونکہ تاریخ بدل گئی تھی اور یونیورسٹی کے انٹلیکچول (intellectuals) حضرات ہمارے

ساتھ تھے، ایک صاحب لاء (Law) کے چیئرمین تھے، ایک صاحب کیمسٹری کے چیئرمین تھے، ایک ایکنامکس کے چیئرمین تھے، وہ جو (Law) کے چیئرمین تھے، مَیں نے اُن سے کہا: جی ڈاکٹر صاحب! کیا کریں؟ کہا: جی مَیں تو خود منشی صاحب سے پوچھ پوچھ کر چلوں، ہم مرکز آئے، ہم نے مولانا ابراہیم صاحب سے کہا، انھوں نے فرمایا: مفتی صاحب سے پوچھو، میرے بھائیو، دوستو، بزرگو! جب یونیورسٹی کے انٹلیکچول (Intellectuals) محتاج ہیں علماء کے، مَیں اور آپ تو اس سے بھی زیادہ محتاج ہیں، جس دن ہمارا تعلق علماء سے پیدا ہوگیا اور ہم ان سے پوچھ پوچھ کر چلنے لگے، ہماری ساری پریشانی ختم ہوجائے گی، نیت کرو اس کی، ہاں! اللہ کے راستے میں تو احساس ہوگا کہ میرا قرآن تو صحیح نہیں، کہاں جاکر صحیح ہوگا؟ مقام پر قاری صاحب کے ذریعے، نماز میں کس سے مسئلہ پوچھیں گے؟ کہ مولوی صاحب سے، تو میرے بھائیو، دوستو، بزرگو! دین پر چلنا کب آسان ہے؟ جب علماء سے ہم پوچھ پوچھ کر چلیں گے"۔ (بیان مکمل ہوا)

نادر صاحب نے دین کی آسانی کو علماء سے پوچھ پوچھ کر چلنے سے جوڑا ہے، یہ قیمتی نکتہ وہی ہے جو مشہور محدث و حافظ ابو محمد عبداللہ بن ابی جمرہ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مایہ ناز تصنیف بہجۃ النفوس میں الدین یسر کی تشریح میں بیان فرمایا ہے، جس کی کچھ تفصیل یہاں ذکر کردینا فائدہ سے خالی نہیں ہوگا، علامہ اندلسیؒ نے رحمۃ القدوس کے نام سے بخاری شریف کی احادیث کی تلخیص لکھی ہے اور پھر ان احادیث کی خود ہی شرح لکھی ہے جس کا نام ہے: بہجۃ النفوس، حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے اس کتاب کے مضامین کی اہمیت کے پیش نظر اپنے معتمد و تربیت یافتہ مشہور محدث علامہ ظفر احمد عثمانی قدس سرہ سے اپنی نگرانی میں اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کروایا تھا جو

ادارہ اسلامیات کراچی سے دوضخیم جلدوں میں شائع ہوا تھا، اس کتاب کی پہلی جلد کے باب ششم میں یہ حدیث مذکور ہے:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دین آسان ہے اور ہرگز کوئی شخص سختی اور مبالغہ کے ساتھ دین پر غالب ہونے کا ارادہ نہیں کرے گا مگر دین ہی اس کو ہرا دے گا، پس سیدھے چلو، قریب قریب رہو اور خوشخبری حاصل کرو اور صبح وشام کے وقت سے اور کسی قدر رات کے آخری حصہ سے کام میں سہارا لو''۔اھ

علامہ اندلسیؒ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ دین اس شخص کو آسان ہے جو اس کو اچھی طرح جان لے، پہچان لے؛ کیونکہ جو دین سے غافل ہوگا اس کو دشواری کا سامنا ہوگا، حدیث کا حاصل یہ ہوگا کہ حضور ﷺ تحصیل علم دین کی ترغیب دے رہے ہیں کہ کتاب اللہ اور سنت کے موافق اس کو حاصل کیا جائے، جو شخص کتاب اللہ اور سنت کے سوا محض عقل یا اور طریقے سے اس کو حاصل کرنا چاہے گا دین اس پر دشوار ہوجائے گا اور دین کی درستی کی صورت یہ ہے کہ دین کو اور اس کے احکام کو اچھی طرح معلوم کرکے اس کے موافق عمل اور اتباع کرو۔ (انتخاب بخاری:۱/ ۱۱۲، ملخصا، ادارہ اسلامیات، کراچی)

نادر صاحبؒ نے اسی مضمون کو مثال اور واقعہ سے سمجھایا ہے، اہل علم نادر صاحبؒ کی وسعت مطالعہ کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

بہر حال! اصل مضمون یہ چل رہا تھا کہ نادر صاحبؒ عوام کو علماء سے مسلسل رابطہ رکھنے کی ترغیب دیا کرتے تھے اور اپنے بیانات میں اس پر زور دیا کرتے تھے، اسی سلسلے کا یہ واقعہ بھی ملاحظہ فرمائیں، حضرت مولانا عبید اللہ صاحب قاسمی فرماتے ہیں:

''جب پہلا امتحان دے کر جماعت میں جا رہا تھا تو بھائی عمر صاحب دہلی والے سائیکل سے لے کر نادر صاحب کے گھر لے کر گئے اور بتایا کہ یہ فلاں

جگہ جماعت میں جارہے ہیں، قاسمی ہیں، نادر صاحب نے بہت محبت سے مصافحہ کیا اور ہاتھ دبایا اور فرمایا کہ مولوی صاحب! ایک مدت سے دشمنان اسلام اس کوشش میں ہیں کہ عوام کو علماء سے دور کردیں اور بدظن کردیں اور اس کے لیے جو حربے وہ اپنا سکتے ہیں وہ انھوں نے اپنائے اور اس کی مثال دی کہ اس یونیورسٹی میں ایک بھنگی اور چپراسی کی تنخواہ اور ایک امام کی تنخواہ برابر ہے، اس وقت یہی حال تھا، نادرصاحب خود بتایا کرتے تھے کہ سید حامد صاحب سے اصرار کرکے ائمہ کا گریڈ بڑھوایا اور ان کی تنخواہ تقریباً لیکچرر کے قریب کرادی، تو انھوں نے مثال دی کہ اس حیثیت میں لاکرڈال دیا ہے کہ عوام ان کو کم تر سمجھے اور پھر اس کے بعد بہت محبت سے مخاطب ہوکر کہنے لگے کہ مولوی صاحب تم جارہے ہو، عوام کے درمیان رہنا ہوگا، اس لیے بے اکرامی کو محسوس نہ کیجیو''۔اھ

یہی وہ سوچ تھی جس پر نادرصاحب نے ایک نسل تیار فرمادی، اس سوچ کے حامل جہاں بھی رہے ہیں، اللہ تعالی نے ان سے بڑا کام لیا ہے؛ اس لیے کہ علم دین ہی وہ کلید ہے جس سے راہیں کھلتی ہیں، روشنی حاصل ہوتی ہے اور علمائے ربانیین ہی دراصل امت کے دینی مقتدا اور رہبر ہیں۔

اکابر دیوبند کا شیدائی

نادر صاحب نے اکابر دیوبند میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہ، حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی قدس سرہ، حضرت قاری امیر الحسن قدس سرہ جیسی شخصیات کی صحبت اٹھائی تھی، حضرت شیخ کی خصوصی صحبت کی وجہ سے نادر صاحب کی شخصیت میں اکابر دیوبند سے والہانہ عشق وتعلق کی صفت منتقل ہوگئی تھی، شاید ہی کوئی مجلس

ایسی ہوتی ہوجس میں وہ اکابر دیوبند میں سے کسی کا تذکرہ نہ فرماتے ہوں، ان کی مجلس میں بیٹھ کر اکابر کی عظمت و وقعت بڑھ جاتی تھی، وہ فرماتے تھے کہ سب کچھ تو علمائے دیوبند کا ہے، تصنیف ان کی، تدریس ان کی، تبلیغ ان کی، سلوک واحسان ان کا، فرماتے تھے کہ اٹھارہ سو ستاون میں جب حکومت کا سرا ہاتھ سے نکل گیا تو علمائے دیوبند نے محسوس کیا کہ مچھر کا پر ہی تو ہاتھ سے نکلا ہے، اس کے بعد انھوں نے پورے ملک میں مدارس کا جال بچھا دیا، فرماتے تھے کہ میرے نزدیک کلبِ دیوبند بھی مکرم ہے، ان کو اس پر یقین کامل تھا کہ قرآن وسنت کی جو تشریح علمائے دیوبند کے ذریعے امت تک پہنچ رہی ہے، وہ بالکل معتدل اور برحق ہے،، ان کے انتقال پر ایک عظیم خانوادے کے چشم و چراغ نے بجا طور پر فرمایا کہ اکابر کا ایک مستند راوی اور ترجمان رخصت ہو گیا۔

مشائخ اور علمائے کرام کے اکرام واحترام کے تعلق سے یہ واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

ایک بار دارالعلوم دیوبند کے مہتمم و شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی ملاقات کے لیے تشریف لائے، نادر صاحب اپنی معذوری کی وجہ سے پیر پھیلا کے بیٹھے ہوئے تھے، حضرت مہتمم صاحب پائینتی کی طرف بیٹھنے لگے، پس نادر صاحبؒ نے دونوں ہاتھ اپنے ماتھے پر مارتے ہوئے فرمایا کہ: آپ میرے حال پر رحم فرمائیں اور یہاں، یعنی کرسی پر تشریف لے آئیں، رخصت ہوتے وقت حضرت مہتمم صاحب نے پیشانی کو بوسہ دیا اور کچھ ہدیہ پیش کیا، نادر صاحب نے وہ ہدیہ سر پر رکھ لیا۔

ان کو اکابر دیوبند میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد انعام صاحبؒ سے خاص طور پر عقیدت تھی، ان کے واقعات وہ خوب سنایا کرتے تھے، ایک دفعہ ایک ساتھی نے خواب دیکھا کہ مذکورہ چاروں بزرگ اس کے گھر تشریف لائے ہیں، اس خواب کا تذکرہ اس ساتھی نے نادر صاحب سے کیا، تو کچھ دن بعد خود نادر صاحب اس ساتھی کے گھر پہنچے، یہ

تعلق اورمحبت کی بات تھی، آج نادر صاحب سے تعلق رکھنے والوں میں اس کا خاص اثر محسوس کیا جاتا ہے کہ ان کے اندر بھی اکابر، مشائخ اور اہل اللہ کا احترام نمایاں نظر آتا ہے۔

علی گڑھ سے دیوبند جانے والی جماعتوں کو روانگی کی ہدایات میں اکابر دیوبند کے مجاہدات اور ان کی دینی خدمات کا تذکرہ فرماتے اور خاص طور پر یہ بات کہتے کہ وہاں جا کر دیکھو گے کہ معمولی تنخواہ میں بہت کم اسباب کے ساتھ کیسے بڑی بڑی خدمات انجام دی جارہی ہے، اُن ہی کی برکت سے آج دین کی رمق باقی ہے۔

سلوک واحسان سے وابستگی

نادر صاحب کے سلوک واحسان کی تفصیلات لکھنے کے لیے مستقل دفتر چاہیے اور اس کے اصل حقدار ان کے وہ خلفاء ہیں جنھوں نے ان کی طویل صحبتیں اٹھائی ہیں، افسوس کہ ناچیز اس حوالے سے زیادہ فائدہ اٹھانے سے محروم رہا، تاہم اپنے ظرف کے مطابق چند اہم باتیں عرض کرتا ہوں۔

- حضرت نادر علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اصلاحی تعلق اوّلاً میرٹھ کے رہنے والے ایک صاحبِ نسبت بزرگ سے تھا جن کا نامِ نامی اسم گرامی حضرت عبدالعزیز تھا، اسکول کی تعلیم کے زمانے میں ان سے تعلق ہوا، جس سے ان کی زندگی میں زبردست انقلاب آیا، حضرت عبدالعزیزؒ نے آپ کی کس طرح تربیت فرمائی، اس بارے میں تفصیل نہیں مل سکی؛ البتہ حضرت نادر صاحبؒ کے ایک نہایت معتمد صحبت یافتہ ساتھی کی زبانی معلوم ہوا کہ حضرت عبدالعزیزؒ نے ان سے سورہ اخلاص کا وظیفہ کروایا تھا، جس میں سورہ اخلاص کو سوا لاکھ مرتبہ اس طرح پڑھنا تھا کہ اس کی تکمیل تک غلہ جات میں سے کچھ بھی تناول نہیں کرنا تھا اور اس وظیفہ کا مقصد یہ تھا توحید خالص حاصل ہوجائے، حضرت نادر صاحبؒ

نے اس عمل کی تکمیل فرمائی، جس کے سبب آپ کو تعلق مع اللہ اور توحید خالص کا اعلی درجہ حاصل ہوا جو آپ کے اعمال و بیانات سے ظاہر ہوتا تھا۔

● حضرت عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق کی بنا پر آپ کی جوانی بھی ذکر و عبادت میں گذری، انتقال سے چند روز پہلے فرمایا کہ جب میں ذکر بالجہر کرتا تھا تو میرے منہ سے مشک کی خوشبو آتی تھی''، نیز فرمایا کہ ''جب شبِ قدر ہوتی تھی تو مجھے پتہ چل جاتا تھا۔

ایک مرتبہ بنگلہ والی مسجد کے قیام کے دَوران ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب سے ذکر کیا کہ آج شبِ قدر ہے، وہ میری بات سن کر مسکرا کر چلے گئے اور آرام کرنے لگے، خواب میں آ کر کسی نے ان کو اُٹھایا کہ اُٹھو! آج شبِ قدر ہے۔(روایت حضرت مولانا سعید مرغوب صاحب خلیفہ حضرت نادر صاحبؒ)

غرض ان معمولات واذکار سے قلب ایسا صاف ہوگیا تھا کہ منجانب اللہ ایسے احوال پیش آنے لگے تھے۔

● بعد میں آپ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ سے بیعت فرمائی اور ایک لمبی مدت تک حضرت کی صحبت اٹھاتے رہے، رمضان المبارک کے آخری عشرے میں تو ضرور کچھ ایام کے لیے آپ تشریف لے جاتے اور حضرت شیخ الحدیثؒ سے فیض حاصل کرتے، حضرت شیخ الحدیثؒ کے مدینہ ہجرت فرمانے سے پہلے تک یہ سلسلہ جاری رہا اور آپ حضرت شیخ الحدیثؒ کے معتمد علیہ بن گئے۔

● حضرت شیخ الحدیثؒ کے انتقال کے بعد آپ نے حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ سے تجدیدِ بیعت کی درخواست کی، جس کو حضرت ڈاکٹر صاحب نے ایک مجلس میں اس طرح بیان کیا کہ:

''جب مَیں نے حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ سے درخواستِ بیعت کی، تو حضرت جیؒ نے ارشاد فرمایا کہ: بیعت سے پہلے شیخ کو دیکھ بھال بھی لیا کہ کیسا ہے، پہلے شیخ کو اچھی طرح دیکھ بھال لینا چاہیے، پھر بیعت ہونا چاہیے، مَیں نے عرض کیا: ''حضرت! مَیں ٹاپر رہا ہوں اور ہر کلاس اور سبجیکٹ میں ٹاپ کیا ہے؛ اِس لیے میری پسند بھی ٹاپر ہی کی ہوئی ہے، اب تک حضرت شیخ الحدیثؒ سے اصلاحی تعلق تھا، جو اپنے زمانے کے یگانۂ روزگار اور ٹاپر تھے، اب آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں، حضرت مسکرا دیے اور بیعت فرمالیا۔ (روایت حضرت مولانا سعید مرغوب صاحب مدظلہ)

● حضرت جیؒ مولانا انعام الحسن صاحبؒ کے انتقال کے بعد آپ نے حضرت شیخ الحدیثؒ کے خلیفۂ اجل حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ سے اپنا اصلاحی تعلق قائم فرمایا اور اپنے دیگر احباب کو حضرت قاری صاحبؒ سے اصلاحی تعلق قائم کرنے کی طرف متوجہ فرمایا، جن میں بہت سے حضرات نے حضرت قاری صاحبؒ سے بیعت کی اور استفادہ کیا، آپ حضرت قاری صاحبؒ کی حیات تک ان سے مستقل استفادہ فرماتے رہے اور اپنی صحت کے باقی رہنے تک پورا رمضان حضرت قاری صاحبؒ سے استفادے کے لیے میل وشارم میں گزارتے رہے اور اپنے آپ کو حضرت قاری صاحبؒ کے ہاتھ میں مُردہ بدست زندہ بنا کر دکھایا، حضرت قاری صاحبؒ نے بھی آپ کے ساتھ خصوصی معاملہ فرمایا اور آپؒ کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔

۱۲/۲۰۱۱ء میں آپ کی کمر میں تکلیف شروع ہوئی، جس کی بنا پر صاحبِ فراش ہوکر علی گڑھ تشریف لائے، حضرت قاری صاحبؒ کو آپ کی بیماری کی بڑی فکر تھی اور آپ کے لیے مستقل دعائیں فرماتے، فون سے خیریت دریافت

فرماتے، اپنی علالت کے باوجود حضرتؒ کی خیر خبر رکھتے، بار بار افراد کے ذریعے فون سے احوال معلوم کرتے، حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے ایک مرتبہ ذکر کیا: حضرت قاری صاحب! جب دہلی میں ایڈمٹ تھے اور بندہ علی گڑھ میں بسترِ مرض پر تھا، تو حضرت قاری صاحبؒ نے فون پر احوال دریافت کیے اور فرمایا کہ کاش! آپ آکر مل جاتے؛ لیکن بندہ اپنی شدتِ مرض کی بنا پر نہیں جاسکتا تھا، پھر ٹھنڈی آہ بھر کر فرمایا: کاش! کہ ہم حضرت قاریؒ سے اس وقت مل لیتے تو ہمیں بھی کچھ حاصل ہوجاتا، حضرت قاری صاحبؒ کا جب ذکر فرماتے تو نمدیدہ ہوجاتے اور جوش میں فرماتے: ''مولوی صاحب! ہمارے حضرت قاری صاحبؒ انکساری وتواضع کا پیکر تھے، حضرت شیخ الحدیثؒ کے اجلِ خلفاء ہونے کے باوجود پوری زندگی حضرت شاہ ابرارالحق صاحبؒ کے زیرِ سایہ ہردوئی مدرسے کے ایک چھوٹے سے حجرے میں گزاردی، اپنے آپ کو پورے طور پر حضرت شاہ صاحبؒ کے حوالے کیا ہوا تھا، اُن کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ مدینہ منورہ حاضری کے موقع پر آپ کو وہاں کے سرکردہ شیوخ نے مدینہ میں قیام کی پیش کش کی اور اقامہ دینے کی بات کہی؛ لیکن حضرت قاری صاحبؒ نے فرمایا کہ: بندہ تو مدرسہ سے فریضۂ حج کی رخصت لے کر آیا ہے؛ اس لیے اس کو قبول نہیں کرسکتا، اس پر لوگوں نے کہا: حضرت! لوگ تو یہاں رہنے کی تمنا رکھتے ہیں، اس کے لیے کوشش کرتے ہیں، آپ قبول نہیں فرمارہے؟ تو حضرت قاری صاحبؒ نے ارشاد فرمایا: ہم ہندوستان میں رہ کر بھی ان ہی کا کام کررہے ہیں؛ اس لیے قرب اور بعد سے کچھ فرق نہیں پڑتا، غرض حضرت قاری صاحبؒ کا ذکر آپ بڑے والہانہ انداز میں فرماتے۔ (روایت حضرت مولانا سعید مرغوب صاحب)

● آخر میں نادر صاحب نے حضرت مولانا عاقل صاحب سہارنپوری دامت برکاتہم سے تعلق قائم کرلیا تھا، جس کی تفصیل ان کے خلیفہ پروفیسر فیضان بیگ صاحب کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

فرماتے ہیں کہ نادر صاحب نے مجھ سے کہا کہ تم سہارنپور جاکر حضرت مولانا عاقل صاحب سے بیعت ہوجاؤ، اتفاق سے اسی دن حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب نے بھی یہی جملہ فرمایا، چنانچہ میں حضرت سے بیعت ہوگیا، بعد میں جو بھی سہارنپور کا کام ہوتا تھا، وہ مجھ سے کراتے تھے، آخر میں نادر صاحب کے چار پانچ فون آئے کہ میرے اوپر آپ ایک احسان فرمادیں کہ آپ حضرت سے مجھ کو بیعت کروادیں، تو میں نے جاکر حضرت سے عرض کیا، حضرت فرمانے لگے کہ انھوں نے بڑے مراحل طے کررکھے ہیں، مجھ سے کیا بیعت ہوں گے، ان سے کہہ دیجیے کہ کیا مجھے اس قابل سمجھتے ہیں کہ جو لوگوں کو میرے پاس بھیجا کرتے ہیں، نادر صاحب برابر یہ فرماتے تھے کہ حضرت شیخ کی نسبت خاصہ حضرت مولانا عاقل صاحب دامت برکاتہم کی طرف منتقل ہوگئی ہے، حضرت نے تھوڑی دیر سر جھکایا اور فرمایا کہ اگر ان کی خواہش ہے تو ٹھیک ہے، میں نے ان کو فون پر بیعت کروایا، دونوں بزرگوں کے بیچ میں عجیب معاملہ تھا، حضرت نے نادر صاحب کے پاس اپنی مشہور کتاب بیان الدعا اہتمام سے بھجوائی، نادر صاحب برابر حضرت سے اپنا رابطہ رکھنے لگے، میری نادر صاحب سے آخری ملاقات شعبان میں ہوئی تھی، تقریباً ساڑھے چار گھنٹے تنہائی میں مجھے اپنے پاس سے اٹھنے نہیں دیا، انھوں نے ایک ہزار روپے دیے کہ حضرت مولانا عاقل صاحب کو پہنچادینا، پھر نادر صاحب نے ایک خطیر رقم بھجوائی، حضرت نے بھی سلام کہلوایا، بیس رمضان کو ساڑھے

گیارہ بجے دن میں بات کی اور بہت دعا دی، ان کے لہجے سے بالکل کمزوری نہیں محسوس ہورہی تھی، رات میں معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہوگیا، اللہ تعالی اپنی رحمت خاصہ میں ان کو مقام عطا فرمائے۔اھ

● نادر صاحب اکثر و بیشتر اپنے ملنے والے خاص احباب سے پوچھا کرتے تھے کہ تمھارا اصلاحی تعلق کس سے ہے، ان کا یہ جملہ مشہور ومعروف ہوگیا تھا، ایک دینی محنت سے عملاً وابستہ ہونے کے باوجود اصلاحی تعلق کی ایسی فکر اور اپنے خاص احباب کو اس کی طرف مستقل متوجہ فرماتے رہنے کی محنت وکوشش سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک جس طرح دعوت وتبلیغ کی اہمیت تھی، اسی طرح سلوک واحسان کی بھی اہمیت تھی؛ بلکہ اس کو وہ خلوص اور باطنی اصلاح کے لیے ضروری خیال فرماتے تھے۔

● نادر صاحب صرف سوال کرنے پر اکتفا نہیں فرماتے تھے؛ بلکہ رہبری بھی فرماتے تھے اور ملنے والوں کو ان کے علاقے کے مشائخ کے نام بتاتے تھے اور ان سے وابستہ ہونے کی ترغیب دیا کرتے تھے، یہاں ایک واقعہ کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے، حضرت مولانا سعید مرغوب صاحب فرماتے ہیں کہ بندے سے نادر صاحب نے ایک مرتبہ پوچھا کہ آپ کا اصلاحی تعلق کس سے ہے؟ بندے نے عرض کیا زمانۂ طالب علمی میں حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہی نوراللہ مرقدہٗ سے بیعت کی اور انہیں کے بتائے ہوئے معمولات پورے کررہا ہوں، فرمایا کہ: ''مولوی صاحب! حضرت مفتی صاحبؒ کو تو زمانہ گزر چکا، اب کسی سے ہے؟ عرض کیا کہ فی الحال تو کسی سے تعلق نہیں، بس اعمالِ دعوت اور حضرت مفتی صاحبؒ کے بتائے ہوئے معمولات پورے کرلیتا ہوں، ارشاد فرمایا کہ: نہیں! کسی زمانے میں بھی اپنی اصلاح سے بے فکر نہیں

ہونا چاہیے اور کسی سے ضرور بیعت ہوجاؤ، دارالعلوم دیوبند میں حضرت مفتی محمودالحسن صاحب مدظلہٗ ہیں ان سے بیعت ہوجاؤ یا حضرت قاری صاحبؒ سے بیعت ہوجاؤ، بندے نے عرض کیا کہ میرا زیادہ تر قیام علی گڑھ میں رہتا ہے؛ اس لیے دیوبند یا ہردوئی شیخ کی خدمت میں بار بار حاضری مشکل ہوگی، تو پوچھا پھر کیا ارادہ ہے؟ بندہ نے عرض کیا کہ آپ بیعت فرمالیں، حضرتؒ نے فرمایا: مَیں تو کسی کو بیعت نہیں کرتا، اسی طرح کئی مرتبہ بندہ کو حضرتؒ نے ترغیب دی کہ مَیں حضرت قاری صاحبؒ سے بیعت ہوجاؤں؛ لیکن بندہ اپنی ناسمجھی سے ایسا نہ کرسکا اور ہر مرتبہ یہ عذر پیش کرتا کہ شیخ سے استفادہ نہ ہوسکے گا؛ لہٰذا آپ ہی بیعت فرمالیں، آخرکار آپ نے فرمایا کہ اچھا مجھے مشیر بنالو، اِس طرح سے حضرتؒ نے بندے پر اپنا سایۂ عاطفت ڈالا اور پھر تو بےانتہا شفقتوں اور مہربانیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا اور وہ اپنائیت اور محبت دی کہ جو ایک باپ اپنی اولاد کو بھی نہیں دے سکتا۔

● غرض ان کے ذریعہ بےشمار نوجوانوں نے اور علمائے کرام نے مشائخ سے تعلق قائم کیا اور ان کے اندر سلوک واحسان کی اہمیت پیدا ہوئی، وہ فرماتے تھے کہ لوگ کہتے ہیں کہ استقامت کی دعا کرو، تو وہ تینوں استقامت والے ہی تو تھے جن سے جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی، بس ان کے اندر اخلاص نہیں تھا اور یہ اخلاص اللہ والوں سے حاصل ہوا کرتا ہے، وہ سلوک کے سلسلے میں کتابوں کی بھی نشاندہی فرمایا کرتے تھے، حضرت مولانا منظور نعمانی قدس سرہ کی تصنیف تصوف کیا ہے؟ اس کو پڑھنے کی خاص طور پر ترغیب دیتے تھے۔

● علی گڑھ میں حضرت شیخ کے خلیفہ پروفیسر سلمان بیگ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد سرسید نگر کی بڑی مسجد میں ذکر کا معمول باقی رہنے کے لیے

آپ نے فکر فرمائی اور اپنے بعض خاص احباب کو اجازت مرحمت فرما کر فرمایا کہ جو ذکر چل رہا ہے، وہ بند نہیں ہونا چاہیے۔

● بڑے بڑے مشائخ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے، حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب دامت برکاتہم ایک بار حج سے تشریف لائے تو پہلے سیدھے نادر صاحب کے پاس تشریف لے گئے، حضرت حکیم صاحب نے بھی انہیں اجازت دی تھی۔

● تصوف، علم دین اور دعوت تینوں کا سنگم ان کی ذات کے اندر تھا۔

دعوت وتبلیغ سے تعلق

''علی گڑھ'' آنے کے بعد نادر صاحبؒ دعوت وتبلیغ کی محنت سے بھی وابستہ ہو گئے تھے اور اس تعلق سے ان کی خدمات، قربانیاں، معمولات، طرز فکر، انداز دعوت، تربیت و رجال سازی کا ملکہ، دین کا درد وفکر اور سارے عالم میں اعلاء کلمۃ اللہ کی ایسی دھن کہ جن کے واقعات اور کارگذاریاں قابلِ رشک ہیں، دعوت وتبلیغ سے تعلق ان کی طویل زندگی کا ایک روشن باب ہے، نادر صاحب نے دعوت وتبلیغ کی محنت سے وابستہ ہونے کے بعد اس کے تقاضوں کو اکابر کی روش پر جس عزیمت اور مجاہدے اور اصولوں کی پابندی کے ساتھ انجام دیا، اس میں نئی نسل کے لیے بڑی رہبری کا سامان ہے، ان کا علم چونکہ پختہ تھا، سیرت پر ان کی گہری نظر تھی، اکابر کے صحبت یافتہ تھے، اس لیے انھوں نے دعوتی میدان میں افراط وتفریط سے بچتے ہوئے راہ اعتدال کو مضبوطی سے تھامے رکھا، درحقیقت اعتدال کی دولت اسی شخص کو میسر ہوتی ہے جس کو قدرت کی طرف سے ذوق سلیم، دیانت وللّٰہیت ،خلوص وتقوی اور متقی اور متقن علماء کی صحبت سے کشید کردہ گہرا علم عطا کیا گیا ہو، انسان کے افکار واعمال میں اِس قیمتی وصف کی علامات اور نتائج خود بخود پھوٹنے لگتے ہیں، وقت کے راسخین فی العلم کو خود شعور عطا کر دیا جاتا ہے کہ فلاں شخص معتدل ہے اور دین وشریعت کے تعلق سے اُس کی ترجمانی عین اعتدال وتوازن پر مبنی ہے اور جب کسی شخص کا معتدل ہونا

مسلم ہوجاتا ہے تو نتیجۃً دین اسلام کی ساری خوبیاں اور سارے اوصاف حسنہ کا اعتراف ایک لازمی امر بن جاتا ہے۔

نادر صاحب کی دعوتی خدمات کی تفصیلات مرتب کرنا اہل دعوت پر ایک قرض ہے، امید ہے کہ دعوتی احباب اس طرف توجہ فرمائیں گے، بندہ کو اس سلسلے کی جو معلومات مل سکیں، ان کو یہاں پیش کرتا ہے، اللہ تعالی جزائے خیر عطا فرمائے محترم ڈاکٹر فراہیم صاحب زید مجدہم کو کہ انھوں نے بندے کی درخواست کو قبول فرماتے ہوئے اپنے زمانہ طالب علمی کے بہت سے واقعات سنائے جس میں دعوت کا کام کرنے والے احباب کے لیے رہبری اور نصیحت ہے۔

ڈاکٹر فراہیم صاحب فرماتے ہیں:

''نادر صاحب جماعت میں نکلنے کے زمانے میں ہمیں مختلف نشستوں میں لے کر بیٹھا کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ جو اجتماعی اعمال ہوتے ہیں، وہ تو ہمیں کرنے ہی ہیں؛ لیکن سب ساتھیوں سے کہتے تھے کہ اجتماعی اعمال کے علاوہ بھی جو وقت ملا کرے اس میں میرے پاس بیٹھا کرو، تو ہمیں تو ایسی چاہت تھی کہ ہم تو کھانا وانا سب بھول جاتے تھے کہ جتنی صحبت ڈاکٹر صاحب کی مل جائے غنیمت ہے، ذرا سا وقت ملتا تھا ساتھی فوراً ہی بالکل پروانوں کی طرح سے جمع ہوجاتے تھے، یہاں تک کہ وہ کپڑے تہ کر رہے ہوتے تب بھی ساتھی فوراً بیٹھ جاتے تھے، بستر تہہ کر رہے ہوتے تو ساتھی فوراً آجاتے، تو بستر تہہ کرتے کرتے ہی پون پون گھنٹہ لگ جاتا تھا، ایک ایک گھنٹہ اور وہ بات شروع کردیتے تھے، تو مختلف نشستوں میں مختلف قسم کی جو باتیں آتی تھیں، اس سے ذہن کی بہت صفائی ہوتی تھی، کبھی کسی ملک کی کارگزاری سناتے تھے، اس میں بڑی حکمتیں ہوتی تھیں اور پھر ہم لوگوں کو گویا کہ وہ ایک طرح

سے تربیت دیتے تھے، اس میں ایک لڑکا تھا وہ نماز پڑھ رہا تھا؛ لیکن اس نے گردن ٹیڑھی کرلی نماز میں، تو مجھ سے کہا کہ دیکھو میرا کہنا ٹھیک نہیں ہے، تم اس سے کہو کہ تمہیں ہمیں باہر کے لیے تیار کرنا ہے، تمہیں باہر بھیجنا ہے، تو تم نورمل طریقے سے نماز پڑھو، تم نے گردن ٹیڑھی کیوں کرلی ہے؟ اور جیسے ایک لڑکا تھا اس نے زیادہ لمبا کرتا پہن لیا تھا اور وہ یونیورسٹی میں پڑھتا تھا، اس کے بارے میں تشویش ہونے لگی، کہنے لگے اس سے یہ کہو کہ نورمل طریقے سے رہے، طالبِ علموں کے بیچ میں کام کرنا ہے، یعنی اس طریقے کی تربیتی لائن کی چیزیں وہ بہت زیادہ ہمیں بتایا کرتے تھے اور ایک بات یہ دیکھی ہم نے ان کی زندگی میں کہ ساتھیوں کے بڑے ہمدرد اور ساتھیوں کے مسائل کو بڑی سنجیدگی سے لینے والے تھے اور جب صاحبِ فراش ہوگئے تھے تو سینکڑوں ساتھی ہر مہینے پہنچتے تھے اور ہر آدمی اپنا مسئلہ لے کے جاتا تھا اور دعا کی درخواست کرتا تھا اور ان کی خوبی یہ تھی کہ ان کے مسئلے کو بہت سنجیدگی سے سنتے تھے اور اس کا کوئی معقول حل بتاتے تھے اور اگر کسی اور سے وہ مسئلہ منسلک ہوتا تو بتاتے کہ بھائی ان کے پاس چلے جاؤ، ان سے یہ مسئلہ حل ہوجائے گا اور پھر دعا بھی کرتے تھے، پھر جب ساتھی آتا تھا دو مہینے، تین مہینے یا ایک مہینے کے بعد تو اس کو وہ مسئلہ یاد دلاتے تھے اور پوچھتے تھے کہ تمہارا فلاں مسئلہ تھا کیا ہوا؟ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ مجھے وہ بات یاد بھی نہیں رہتی تھی کہ ان سے یہ بات کہی تھی دعا کے لیے؛ لیکن وہ یاد دلاتے اور پھر پوچھتے کہ کیا ہوا تمہارا وہ مسئلہ چل رہا تھا؛ مَیں تو شروع سے ہی انہیں سے ہی زیادہ جڑا رہا اور انہیں سے مشورے کرتا رہا، انگلی پکڑ کر چلایا انھوں نے مجھے، آج وہ ساری باتیں یاد آتی ہیں اور ان کے احسانات یاد آتے ہیں۔

ایک مرتبہ یہ ہوا کہ ہم ضیاء الدین ہال میں ٹھہرے تھے، تو اعظم گڑھ کے ایک ساتھی جو دعوت کے کام کے ذمہ دار تھے انھوں نے کہا کہ کام کرنے والوں میں بڑی کمزوری آ گئی ہے، چلو نادر صاحب کے پاس چلتے ہیں اور ان سے پوچھا جائے کہ کیا کیا جائے ساتھیوں میں بڑی کمزوری آ گئی ہے، اب ہم دونوں ضیاء الدین ہال سے پیدل چلے اور نادر صاحب کے پاس مغرب کے بعد پہونچے، انھوں نے بڑی محبت سے بٹھایا، پھر فرمایا کہ کیسے آنا ہوا؟ تو میرے ساتھی نے کہا کہ کمزوری آ گئی ہے تو ایک دم سے بولے: کس میں؟۔۔۔۔۔۔۔۔ایک دم ہمارا ساتھی بول اٹھا کہ مجھ میں ہی کمزوری آ گئی ہے؛ حالانکہ راستہ بھر کہتے آئے تھے کہ ساتھیوں میں کمزوری آ گئی ہے؛ لیکن نادر صاحب نے جھڑکی لگاتے ہوئے اس انداز سے پوچھا کہ سارا سوچا سمجھا ذہن سے اوجھل ہو گیا اور اصل حقیقت سامنے آ گئی، پھر بہت شفقت کے ساتھ سمجھایا کہ ہاں یہی سمجھنا کہ مجھ میں ہی کمزوری آ گئی ہے، یہ مت سمجھنا کہ ساتھیوں میں کمزوری آ گئی ہے، بس ساتھیوں کی کمزوری کو اپنی کمزوری سمجھنا، مؤمن مؤمن کا آئینہ ہے، تو ساتھیوں میں اگر کمزوری نظر آئے تو وہ اپنی کمزوری ہوگی، کہ میں ہی کمزور ہوں، اس لیے ساتھی کمزور ہو گئے، دوسرے پر نظر نہ جائے، اپنے ہی کو قصوروار ماننا ہے، اس طرح سے وہ تربیت فرماتے تھے، تھوڑی دیر میں بہت زیادہ نفع آدمی محسوس کرتا تھا اور علمی لائن سے بھی اس کی سطح بلند ہوتی تھی، ہمارے بہت سے اردو کے الفاظ ان کا بیان سُن سُن کے ہی صحیح ہوئے اور ان کے تجربات سے بھی بہت فائدہ ہوتا تھا، ان کے تجربات سے زندگی گزارنے کا سلیقہ بھی آتا تھا۔

ان کی تربیت کا ایک واقعہ اور یاد آیا کہ جلیسر میں ایک بار اجتماع تھا، جس میں

نادرصاحب تشریف لائے ہوئے تھے، میرا گاؤں وہاں سے قریب تھا، اس لیے مجھے بھی خدمت کے طور پر طے کردیا گیا تھا، مَیں نے اپنے گاؤں میں والدصاحب کو اطلاع کردی؛ تاکہ والدصاحب کی بزرگوں سے ملاقات ہوجائے، چنانچہ والدصاحب وہاں پہونچ گئے، میں نے نادرصاحب سے والدصاحب کی ملاقات کرائی، اب یہ ہوا کہ جب والدصاحب جارہے تھے، تو میں والدصاحب کو رخصت کرنے چلا، والدصاحب کے ہاتھ میں ایک بہت چھوٹا سا بیگ تھا، اتفاق سے اسی وقت جب میں والدصاحب کو لے کر باہر نکلا نادرصاحب بھی کسی ضرورت سے نکلے، تو نادرصاحب نے دیکھ لیا کہ یہ اپنے والد کو چھوڑنے جارہا ہے، میرا ذہن منتقل نہیں ہوا اور مَیں نے والدصاحب کے ہاتھ سے وہ بیگ نہیں لیا، حالانکہ مجھے ان کے ہاتھ سے بیگ لے لینا چاہیے تھا، جب میں والدصاحب کو بس تک پہنچا کر واپس آ گیا، تو مجھے دیکھتے ہی اتنا ناراض ہوئے کہ زندگی میں کبھی اتنا ناراض نہیں ہوئے اور آنکھیں نکال کے بہت غصہ میں بولے کہ آپ بھی عجیب آدمی ہیں، آپ بھی عجیب آدمی ہیں، اب مَیں سٹ پٹا گیا کہ مجھ سے کون سی ایسی بڑی غلطی ہوگئی ہے کہ جس کی وجہ سے نادرصاحب جو کبھی ناراض نہیں ہوئے، آج اتنا ناراض ہورہے ہیں، جب انہوں نے محسوس کیا یہ سمجھ نہیں پارہا ہے کہ مَیں کیوں ڈانٹ رہا ہوں تو خود ہی بولے کہ آپ اپنے والدصاحب کو رخصت کرنے جارہے تھے اور بیگ ان کے ہاتھوں میں تھا اور آپ نے ان کے ہاتھ سے بیگ نہیں لیا؟ اتنی بے ادبی والد کے ساتھ، آپ بھی عجیب آدمی ہیں، بہت ناراض ہوئے، مجھے ابھی تک وہ ناراضگی ان کی یاد ہے، پھر کبھی مَیں نے ایسا موقع نہیں دیا کہ ان کے ہاتھ میں کوئی چیز ہو اور مَیں نے نہ لی ہو، مجھے یہ واقعہ ہر وقت یاد آجاتا تھا''۔ (ڈاکٹر فراہیم صاحب کا مضمون مکمل ہوا)

ڈاکٹر صاحب کے واقعہ سے مجھے خود اپنا واقعہ یاد آ گیا کہ ایک بار میل وشارم میں نادر صاحب سے ملاقات کے لیے میرے والد ماجد مدظلہ پہنچے، ان کا بستر نادر صاحب کے معتکف کے باہر متصل لگا ہوا تھا، نادر صاحب وضوء کر کے جب تشریف لائے تو والد صاحب سے پوچھا کہ بستر کہاں لگایا، والد صاحب نے بستر کی طرف اشارہ فرمایا، نادر صاحب نے فرمایا کہ یہاں کیوں لگالیا، اندر لگاؤ، اتنا سننا تھا کہ والد صاحب سبقت لے گئے اور جھٹ بستر اٹھانا شروع کر دیا، میں ابھی سوچ ہی میں تھا کہ آگے بڑھوں، نادر صاحب نے مجھے ایسے تبسم آمیز انداز سے دیکھا کہ اس کی لپٹ آج تک یاد ہے، بندے نے بہت استغفار کیا اور آئندہ کے لیے بڑا سبق حاصل ہوا، اللہ ان کو غریق رحمت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے۔

غرض نادر صاحب نے اپنے پیچھے اپنے رنگ میں رنگے ہوئے افراد کی ایک بڑی تعداد چھوڑی ہے، جن کی انھوں نے نہایت شفقت ومحبت اور قربانی کے ساتھ شروع سے تربیت فرمائی، نوجوانوں کے ساتھ ان کا معاملہ بڑی شفقت کا رہتا تھا، وہ کہتے تھے کہ یہ نوجوان ہیں، یہ پیار ومحبت اور شفقت چاہتے ہیں، وہ پرانے زمانے کے آدمی تھی؛ لیکن نئے زمانے کے مزاج اور نفسیات سے پوری طرح وہ واقف تھے اور اس کی پوری رعایت رکھتے تھے۔

❑❖❑

چند نمایاں صفات

استقامت وعزیمت

نادرصاحب کے اندر سب سے اہم صفت استقامت وعزیمت کی تھی، وہ بلند ہمت تھے، انھوں نے نہایت بہادری اور جفاکشی کے ساتھ زندگی گذاری، ان کی زندگی کے ہر گوشے میں یہ صفت نمایاں نظر آتی ہے، علم ومطالعہ ہو یا تصوف، وسلوک، دعوت وتبلیغ کے اعمال ہوں یا نماز روزہ جیسی اہم عبادتیں ہوں، سارے اعمال انھوں نے نہایت عزیمت و استقامت کے ساتھ انجام دیے، ان کی اس خصوصیت کو دیکھ کر بزرگوں کے مافوق العادۃ واقعات کو ماننا آسان ہوگیا تھا، اس سلسلے کے چند واقعات پیچھے گذر چکے ہیں کہ دس سال تک اکیلے محبین کی مسجد میں کام کرتے رہے اور مایوس نہیں ہوئے۔

اتباع سنت

نادرصاحب کو دیکھنے والے خوب واقف ہیں کہ وہ سنت کا کس درجہ اہتمام فرماتے تھے، بیان میں اکثر فرمایا کرتے تھے تبلیغ کا خلاصہ جزئیات میں اتباعِ سنت ہے، تفصیل سے پوچھا کرتے تھے، صبح کرے تو کیا سنت ہے؟ شام کرے تو کیا سنت ہے؟ گھر سے باہر نکلے تو کیا سنت ہے؟ گھر میں داخل ہو تو کیا سنت ہے؟ فرمایا کرتے تھے ہماری تمام پریشانیوں کی دو وجوہات ہیں، ہم نے حضرت محمد ﷺ کے کام کو اپنا کام نہیں بنایا، دوسری ہمیں ان سے محبت نہیں، پھر صحابہؓ کی محبت کے واقعات پوری کیفیت کے ساتھ سنایا کرتے

تھے، جماعت میں جب کبھی گوشت بنانا ہوتا تو خدمت والوں سے فرماتے کہ بونگ کا گوشت لانا، حضور ﷺ کو بونگ کا گوشت پسند تھا، وہ کبھی کھل کھلا کرنہیں ہستے تھے، بس زیر لب مسکراتے تھے، ایسا لگتا تھا کہ ہنسے میں بھی اللہ کے نبی ﷺ کی اتباع فرماتے ہیں۔

استغنا

استغناء کا یہ حال تھا کہ فرمایا کرتے تھے ہم بنگلہ والی مسجد میں رہتے ہیں تو ہمیں صاف ستھرے کپڑے پہننے پڑتے ہیں، کہ کہیں کوئی ضرورت مند سمجھ کر ہدیہ نہ کردے، ایک بار امریکہ کے سفر کے موقع پہ ایک بزرگ کچھ بوسیدہ سا بیگ لے کر جارہے تھے، فرمایا: نیا لے لو، انہوں نے کہا: اس میں کیا خرابی ہے؟ وہاں پہونچے تو ایک صاحب نے انہیں بیگ لے کر ہدیہ میں دیا، فرمایا: اب سمجھ میں آیا کیا خرابی ہے؟

تکبیر اولی کا اہتمام

حضرت مولانا عبید اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ:

''نہ تو میرے علم میں اور نہ مجھے کوئی ایسا شخص ملا جو یہ بتائے کہ اس نے کبھی بھی نادر صاحب کی تکبیر اولی چھوٹتی ہوئی دیکھی ہو، ساتھیوں کو بھی اس کی تاکید کیا کرتے تھے، مجھے خود بھی جب ان کے پاس جانا ہوتا تھا تو کچھ دن اہتمام کرکے جاتا تھا کہ ملتے ہی پوچھیں گے کہ تکبیر اولی کب سے نہیں چھوٹی میل وشارم ابتداء میں دس دن کے لیے جایا کرتے تھے تو سفر میں کسی کو ضرور ساتھ لے لیتے تھے کہ راستہ میں نماز پڑھنی ہوگی تو جماعت سے اور تکبیر اولی کے ساتھ نماز پڑھ سکیں، پھر جب ان کا وقت بڑھتا چلا یا گیا اور کوئی ساتھ جانے والا نہیں ملتا، تو محض اس وجہ سے ہوائی جہاز سے جایا کرتے تھے کہ راستے میں نماز نہ پڑے اور تکبیر اولی نہ چھوٹے، اتنا اہتمام تکبیر اولی کا میں نے کسی کو نہیں

دیکھا، نظام الدین کے قیام کے زمانے میں بارہا مجھ سے فرمایا کہ مولوی صاحب یہاں تکبیر اولی اور صف اولی کی پابندی بہت مشکل ہے، عوام کے ہجوم کی وجہ سے مجھے پون گھنٹہ پہلے تیار ہو کر جانا پڑتا ہے اور اس پر نہایت قلق کے ساتھ فرماتے کہ یہاں کے مقیمین کی جماعت فوت ہو جائے، اس پر ایک بار دھاڑے مار کر رونے لگے''۔اھ

خوف خدا اور تواضع

خوفِ خدا کا حال یہ تھا کہ ایک مرتبہ بیان فرمایا کہ: ''مولوی صاحب!'' مَیں نے چالیس سال لڑکیوں کو پڑھایا، اس دَوران جب مَیں کلاس روم میں داخل ہوتا تو اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللہَ یَرٰی کا استحضار رکھتا اور بار بار زبان پر بے ساختہ یہ آیت آجاتی، پھر فرماتے کہ: کتے کی پونچھ کو ۱۲؍سال نلکی میں رکھا گیا پھر بھی وہ ٹیڑھی ہی نکلی، ان سارے بزرگوں کی ہمیں صحبت ومحبت ملی؛ لیکن ہم کچھ نہ حاصل کر سکے، یہ کہہ کر آنکھیں اشک بار ہو جاتیں، فرماتے کہ لوگ ہم سے محبت کرتے ہیں، ہم سے ملنے آتے ہیں، اگر ان کو ہمارے احوال معلوم ہو جائیں تو منھ پر تھوک کر جائیں، یہ فرما کر آنکھیں نمدیدہ ہو جاتیں۔

معمولات کی پابندی

معمولات کی پابندی میں تو نادر صاحب کی شخصیت ضرب المثل بننے کے قابل ہے ،اس سلسلے کے واقعات بیان کرنے کے لیے کئی صفحات چاہییں ،مختصر یہ ہے کہ عبادات ہوں یا اوراد ووظائف ہوں یا دعوت کے معمولات ہوں، سب کو وقت پر اداء فرماتے تھے اور ناغہ کرنے کا تو ان کی زندگی میں کوئی خانہ ہی نہیں تھا۔

پیٹھ پیچھے تعریف کرنا

وہ ساتھیوں کی غیر موجودگی میں اتنی تعریف کرتے اور ایسے ایسے فضائل بیان کرتے

تھے کہ سب اس کے معترف اور مداح بن جاتے تھے، صلاحیتوں کی قدردانی کرنا اور حوصلہ افزائی کرنا ان کا خاص وصف تھا، اس سے لوگ ان کی طرف مائل ہوتے تھے اور جڑتے تھے اور اگر کوئی بات قابل اصلاح ہوتی تھی تو اس سے بھی نہیں چوکتے تھے، وہ بھی بتادیتے تھے۔

حق گوئی

جہاں کہیں دین کا معاملہ آجاتا اور حدود اللہ میں کوئی رخنہ پڑتا نظر آتا وہ پوری صفائی، بیباکی اور جرأت وعزیمت کے ساتھ اپنی بات کہنے سے نہ چوکتے تھے۔

تحقیق کے شہسوار

نادر صاحب تحقیق کے لائن کے بھی شہسوار تھے، بڑی تحقیقی کتابیں انھوں نے لکھی ہیں، ان کی باتیں اور ملفوظات بڑی متنوع اور مختلف میدان کی ہوتی تھیں اور ہر میدان میں وہ بڑی تحقیقی باتیں کرتے تھے، کثرت مطالعہ اور قوت حافظہ کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی تھی، صفحے کے صفحے ان کو زبانی یاد تھے اور بے تکان وہ سنایا کرتے تھے۔

نادر صاحب کا شمار اردو صحافت کے اُن ابتدائی محققین میں ہوتا ہے جنھوں نے برصغیر میں اردو صحافت کی تاریخ پر نہایت عرق ریزی کے ساتھ کام کیا اور نئی نسل کو وافر مقدار میں خام مواد فراہم کیا، علی گڑھ میں دوران تعلیم ان کے استاد پروفیسر آل احمد سرور صاحب نے انھیں ''منشی نول کشور کی حیات وخدمات'' پر تحقیق کرنے کا حکم دیا، وہ اس سلسلے میں مواد تلاش کرتے ہوئے جب یونیورسٹی کی لائبریری پہنچے تو اپنے موضوع سے زیادہ مواد انھیں اردو صحافت اور اردو طباعت پر نظر آیا؛ لہٰذا انھوں نے خود کو اس کام پر ڈال دیا اور اسی تحقیق وجستجو کے نتیجے میں دو انتہائی اہم کتابیں وجود میں آئیں۔ پہلی کتاب ''اردو صحافت کی تاریخ'' ہے، جو اردو صحافت کی ابتداء سے متعلق بنیادی حوالہ کا درجہ رکھتی ہے، اس کتاب کی تکمیل یوں تو ۱۹۶۰ء میں ہوگئی تھی؛ لیکن اسے طباعت کی منزل تک پہنچنے میں ۲۷/سال لگے اور اسے

ایجوکیشن بک ہاؤس نے ۱۹۸۷ء میں بڑے اہتمام سے شائع کیا،اب یہ کتاب نایاب ہے،اس کتاب کاانتساب نادرعلی خاں نے اپنے مشفق استاد پروفیسرآل احمدسرور کے نام کیا ہے،اس کاانگریزی ترجمہ ۱۹۹۱ء میں History of Urdu Journalism کے نام سے ادارہ ادبیات دہلی نے شائع کیا،نادرعلی خاں کی دوسری کتاب"ہندوستانی پریس ۱۵۵۶۔۱۹۹۰'' ہے جسے اترپردیش اردواکیڈمی نے ۱۹۹۰ء میں شائع کیا تھا،اس کتاب میں انھوں نے ہندوستان میں فن طباعت کے آغاز وارتقاء کا جائزلیا ہے اور ملک کے طباعت خانوں کاتفصیلی تعارف پیش کیا ہے۔(ماخوذازمضمون جناب معصوم مرادآبادی صاحب)

❑❖❑

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ڈاکٹر نادر علی خاں صاحب کی شخصیت پر ایک تاثراتی مضمون

از: پروفیسر جناب حکیم عبدالمنان صاحب دامت برکاتہم

میرے والد محترم حضرت حکیم عبدالمنان صاحب دامت برکاتہم نادر صاحب کے خصوصی تربیت یافتہ افراد میں سے ہیں، نادر صاحب سے ان کے تعلق واستفادے کی مدت نصف صدی پر محیط ہے، انھوں نے طالب علمی کے زمانے میں رہنمائی فرمائی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ملازمت کا ذریعہ بھی نادر صاحب بنے، آخر میں ان کو خلافت بھی عطا فرمائی، بندے نے اپنے والد بزرگوار سے درخواست کی کہ اگر آپ نادر صاحب کی شخصیت کے بارے میں اپنے طویل زمانے کی کچھ کارگذاری لکھوادیں، تو ایک مستند تاریخ محفوظ ہوجائے گی اور آئندہ آنے والی نسل کو فائدہ پہنچے گا، شروع میں تو تامل فرمایا، پھر آمادہ ہوگئے اور الحمدللہ بہت ہی مفصل مضمون املا کروایا، جس میں نادر صاحب کی زندگی کی خصوصیات کا گویا نچوڑ آ گیا ہے، بندہ حضرت والد محترم کے مضمون کو یہاں بعینہ پیش کرنا اپنی سعادت سمجھتا ہے، عجب نہیں کہ اللہ جل شانہ اس سیاہ کار کو بھی اس کی برکت سے روز قیامت بزرگوں کے قدموں میں جگہ عطا فرمادے۔

والد صاحب فرماتے ہیں:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نُوری پر روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

علامہ اقبالؒ کا یہ شعر محترم جناب نادر علی خان صاحب مرحوم پر صادق آتا ہے، بندہ کا تعلق جناب سے تقریباً پچھلے ۵۰ سال سے ان کی وفات تک قائم رہا ۱۹۷۱ء ہی سے اللہ کے فضل سے جماعت میں اور اجتماع میں جانا شروع کیا، اجتماع میں ان کی منفرد شخصیت دکھائی دیتی تھی، لمبا قد، خوبصورت بدن اور لمبی شیروانی والے ایک بزرگ پورے مجمع میں نمایاں رہتے تھے، پوری یونیورسٹی میں لمبی شیروانی والے بزرگ کے نام سے جانے جاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر بلا کی استعداد اور ذہانت رکھی تھی، لکھنؤ یونیورسٹی سے اُردو سے ایم اے کیا اور امتیازی کامیابی حاصل کی، اُردو کے شعبہ کے صدر جناب آل سرور احمد صاحب آپ سے بے حد محبت کرتے اور شفقت ومحبت فرماتے، اپنے شعبہ سے گراں قدر اسکالر شپ (scholarship) دلوائی اور تحقیقی کام شروع کروایا، کچھ دنوں کے بعد شعبہ میں بحیثیت استاد تقرر رہوا، صبح ۸ ؍بجے سے ظہر تک آپ نہایت پابندی اور مستعدی سے اپنی ذمہ داری انجام دیتے تھے، پورے شعبہ میں چند ہی سالوں میں آپ کی شخصیت نمایاں اور مقبول ہوئی، شعبہ کے بعض پرانے اساتذہ آپ سے مشورہ لیا کرتے، اُردو شعبہ میں شروع ہی سے آپسی اختلافات عروج پر تھے؛ لیکن نادر صاحب سے کسی کو اختلاف نہ تھا، سبھی لوگ آپ کے پاس آتے ملتے اور علمی استفادہ حاصل کرتے، رٹائرمنٹ کے چند سال پہلے تک ہی بحیثیت لیکچرر (lecturer) کام کرتے رہے، ترقی (promotion) کے بہت سے مواقع آئے، شعبہ کے چیئرمین کی طرف سے بھی آپ سے درخواست کی جاتی رہی کہ آپ ترقی کے لیے فارم بھر دیں؛ تاکہ آپ کو ریڈر (reader) بنادیا جائے؛ لیکن آپ قناعت پسند تھے، فرماتے کہ یونیورسٹی سے جو تنخواہ مجھے مل رہی ہے وہ میرے لیے کافی ہے، یونیورسٹی میں ایک اسکیم شروع ہوئی جس کے تحت بہت سارے اساتذہ کا لیکچر سے reader پروموشن ہوگیا، اس وقت بزرگوں کے مشورے سے بادل ناخستہ آپ کا بھی پروموشن (promotion) ہوگیا، پھر آخر تک بحیثیت reader کام کرتے رہے اور باعزت طریقے سے ریٹائر (retire) ہوئے۔

نادر صاحب پہلے تو کرائے کے مکان میں سول لائن کا مشہور محلہ دودھ پور میں رہا کرتے تھے، وہاں ایک چھوٹی سی نورمنزل کے نام سے مسجد تھی، اسی میں نماز پڑھا کرتے تھے، وہ مسجد محبین حضرات کی تھی، اس میں جماعت کا کام اور قیام نہیں ہوتا تھا، نادر صاحب نے وہاں تعلیم اور گشت شروع کرایا، گشت میں کبھی کبھی وہ اکیلے ہی تشریف لے جاتے، اس طرح ۱۰ رسال کام کیا، محبین حضرات چاہتے تھے کہ لڑائی اور انتشار ہو؛ مگر آپ نہایت نرمی اور تحمل کے ساتھ اپنے کام میں مشغول رہتے، ان کی اس قربانی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے محترم جناب ڈاکٹر ثناء اللہ صاحب زید مجدہ کی ذریعہ ایک وسیع مسجد تعمیر کرائی اور اسی سے متصل مدرسہ اور اسکول کی بنیاد پڑی، جو فی الوقت ایک بڑے ادارہ کی حیثیت سے قوم کی خدمت کررہا ہے۔

بعد میں آپ کا قیام یونیورسٹی جامع مسجد کے قریب تاربنگلہ میں ہوگیا، پہلے ہمارے یہاں روزانہ مشورہ نہیں ہوا کرتا تھا، حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ نے فرمایا کہ پرانے کام کرنے والے کبھی ایک نماز کے بعد مشورہ کرلیا کریں، چنانچہ یونیورسٹی جامع مسجد میں بعد نمازِ عشاء یہ مشورہ شروع کیا گیا، نادر صاحبؒ کے اندر سنت کی پابندی اور اعمال میں استقامت بندہ نے جو مشاہدہ کیا وہ کم لوگوں میں پایا جاتا ہے، جب سے یہ مشورہ شروع ہوا اور وہ علی گڑھ میں رہے شاید ہی کبھی ناغہ ہوا ہو، زندگی میں ان کے بہت نشیب وفراز آئے، ان کے والد صاحب جورٹول میں رہتے تھے ان کو فالج ہوگیا، ان کو گھر لے آئے اور پچاسوں کپڑے خود ہی دھوتے تھے؛ حالاں کہ خود بہت ہی نفاست پسند تھے؛ مگر یہ خدمت خود ہی کرتے اور کبھی بچوں سے اور اہلیہ سے یہ خدمت نہیں لیتے، والد کے انتقال کے بعد ہی والدہ کو بھی یہی فالج کا اثر ہوگیا تو ان کی بھی ہر طرح کی خدمت کو انجام دیا اور یہ خدمت کا سلسلہ برسوں رہا؛ مگر ان کے معمول میں کوئی فرق نہ آیا، پابندی کے ساتھ مشورہ میں شرکت فرماتے، اس دوران باہر جماعت میں نکلنا نہیں ہوا؛ مگر روزانہ

کی ڈھائی گھنٹہ کی محنت اور روزانہ کے مشورے میں شرکت فرماتے رہے، دوسرے گشت اور ڈھائی گھنٹہ کی محنت میں نادر صاحب اور عبدالعلیم صاحب غریب بستیوں: جیون گڈھ، زہرہ باغ وغیرہ میں جاتے اور لوگوں کو دین کی طرف متوجہ فرماتے، بیرون کی جماعتیں بنانے کے لیے ملاقاتیں کرتے، عشاء کے مشورے میں بندہ کی بھی شرکت الحمدللہ پابندی سے ہوتی رہتی تھی، مشورہ ختم ہونے کے بعد نادر صاحب کے ہمراہ پیدل ان کے گھر تک جانا ہوتا تھا، اس دَوران بہت سی نصیحت آموز باتیں ملتی تھیں اور تھوڑی دیر ان کے ساتھ صحبت سے انفرادی اعمال میں تقویت ملتی تھی۔

بندہ اپنے ذاتی اُمور میں عبدالعلیم صاحب اور نادر صاحب سے ہی مشورہ کیا کرتا تھا، BUMS مکمل کرنے کے بعد ہم نے شوریٰ کے ذمہ دار سے مشورہ کیا کہ آگے کیا کیا جائے؟ ہمارے ایک ساتھی ڈاکٹر عین الدین صاحب جو اعظم گڑھ کے رہنے والے ہمارے ایک سال کے سینیئر (senior) اور ایم ایم ہال کے ذمہ دار بھی تھے، بزرگوں نے مشورہ کیا کہ آپ دونوں ایک ساتھ اعظم گڈھ میں مطب کریں؛ تاکہ جماعت میں آنے جانے میں آسانی ہو، اسی دَوران حضرت مولانا سعید احمد خاں صاحب مکی رحمۃ اللہ علیہ کا علی گڈھ آنے کا پروگرام طے ہوگیا، آپ بنگلہ والی مسجد تشریف لائے ہوئے تھے، محترم جناب خالد صدیقی صاحب نے حضرت مولانا کو گاڑی سے لانے کے لیے بندہ کو بنگلہ والی مسجد بھیجا، دَورانِ سفر حضرت مولانا نے میرے ذاتی احوال معلوم کیے، ہم نے بتایا کہ اس طرح مشورہ ہوا ہے، اس پر مولانا نے فرمایا کہ بھائی دو ڈاکٹر ایک ساتھ کس طرح کلینک چلائیں گے، دوبارہ مشورہ کریں اور یہ بھی فرمایا کہ حضرت جی مولانا انعام صاحبؒ سے پوچھو، ہم نے مشورہ کے حضرات سے مولانا کی رائے پیش کردی، اس پر ان حضرات کی رائے بھی بدل گئی اور فرمایا کہ بنگلہ والی مسجد میں جاکر حضرت جی سے مشورہ کریں، بندہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، تنہائی میں پوری بات پیش کی، حضرت نے پوری توجہ سے

بات سنی اور فرمایا کہ استخارہ کرو، ہم نے محسوس کیا کہ حضرت کی بھی منشا نہیں، ہم نے بزرگوں کو بتادیا خالد صاحب، نادر صاحب نے فرمایا تم تو علی گڈھ رُکنے کی نیت کرلو، نادر صاحب کے پڑوس میں طبیہ کالج کے پرنسپل پروفیسر طیب صاحب رہا کرتے تھے، وہ نادر صاحب کے اخلاق سے بہت متاثر تھے، اپنے مکان کی بنیاد بھی نادر صاحب سے رکھوائی، نادر صاحب نے ہمارا تذکرہ ان سے کیا کہ اس بچہ کا خیال رکھیے، انہوں نے ایک سال کے لیے بحیثیت ہاؤس آفسر تقرر کرلیا، اسی دَوران سی سی آر یو ایم میں ریسرچ اسسٹنٹ کے تقرر کے لیے انٹرویو ہوئے ان میں بہت سی پوسٹ تھیں، حکیم طیب صاحب نے ۸ رلڑکوں کا تقرر کیا، ان میں ہمارا بھی تقرر ہوگیا، اس میں اچھی خاصی تنخواہ تھی، ہم نے پھر سارے بزرگوں سے مشورہ کیا، نادر صاحب سمیت کسی کی رائے نہیں ہوئی کہ علی گڈھ چھوڑو؛ حالانکہ ہم نے وہی ہاؤس آفسر کی پوسٹ پر کام کیا۔

اسی طرح بہت سے اُمور میں نادر صاحب رہبری اور رہنمائی فرماتے رہتے؛ چونکہ شادی ہوچکی تھے، بچے بھی تھے، معاشی حالات بھی تھے، اس پر نادر صاحب تسلی فرماتے، اس سے بہت تسلی ملتی، ۳رسال ایم ڈی کرنے کے بعد کورس ختم ہوگیا، اتفاق سے اسی سال Hospital میں Assistant hakeem کی Post خالی تھی، اس پر کسی وجہ سے ہمارا تقرر نہیں ہوسکا، طبیعت پر بوجھ تھا، پھر بزرگوں کے مشورہ سے مدینہ دواخانہ پر بیٹھنا شروع کردیا۔

ہم گوالیر میں چلّہ لگا رہے تھے، نادر صاحب نے جناب نثار صاحب کو جو ہماری دوکان پر رہتے تھے جمعرات کی رات کو ۱۲ربجے بھیجا کہ تمہارا ایم ڈی کا امتحان ہے، ان کے حکم کے مطابق بندہ جمعہ سے قبل آگیا اور بغیر کسی تیاری کے امتحان میں بیٹھ گیا، نادر صاحب اپنے گھر لے گئے، بڑی شفقت سے کھانا کھلایا اور نادر صاحب کی توجہ سے نام آگیا، بعد میں یہی (degree) مستقل ملازمت کی ذریعہ بن گئی، نادر صاحب نے فرمایا کسی کی بھی

سفارش نہیں، بس اللہ پر نگاہ رکھو، بعد میں بڑی عافیت کے ساتھ شعبہ معالجات میں تقرر ہوگیا، اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں، جن میں نادر صاحب نے رہبری فرمائی۔

حضرت جی کے انتقال کے بعد نادر صاحب نے مجھے اور مولانا عبیداللہ صاحب سے فرمایا کہ کسی سے بیعت ہوجاؤ، حضرت مولانا ابراہیم صاحب نے میرے بارے میں فرمایا کہ مجھ سے مشورہ کرکے اور پوچھ، پوچھ کر چلتے رہو اور مولانا سے فرمایا کہ تم حضرت مفتی خان پوری صاحب دامت برکاتہم کے پاس چلے جاؤ۔

تار بنگلہ میں جب نادر صاحب رہا کرتے تھے اور مَیں ایم ایم ہال میں رہا کرتا تھا اتوار کے دن مغرب بعد لڑکوں سے ملا کرتے تھے، مَیں بہت سے لڑکوں کو جو جماعت سے نہیں لگے تھے لے جاتا تھا، اس سے بہت سے لڑکے کام میں بڑھے اور بہت لڑکوں کے ۴/ماہ لگے، ریٹائرمینٹ کے بعد نادر صاحب کا مشورہ ہوا کہ کچھ دن بنگلہ والی مسجد میں قیام کریں اور کچھ دن علی گڈھ؛ چناں چہ اسی ترتیب پر استقامت کے ساتھ چلتے رہے، بنگلہ والی مسجد میں کبھی روانگی کی بات، کبھی عصر کے بعد کا بیان ہوتا تھا، لوگوں کو بہت فائدہ ہوا، حضرت نادر صاحب بہت سے بزرگوں کی صحبت اٹھائے ہوئے تھے، حضرت جی مولانا انعام الحسن کی صحبت بھی اُٹھائی، تبلیغ کے بہت سے اُصول مستحضر تھے، حضرت جی نے مسجد وار جماعت بنانے کے لیے میاں جی محراب صاحب کے ساتھ نادر صاحب کا سفر پورے ملک میں کرایا، اس سے سارے صوبوں میں مسجد وار جماعت کا کام شروع ہوگیا، علی گڈھ کے قیام کے دَوران نادر صاحب ۵/اعمال کا خود اہتمام فرماتے تھے۔

بنگلہ والی مسجد کے قیام کے دَوران نادر صاحب کا دوچھتی پر قیام رہتا تھا، مسجد کے اجتماعی اعمال جس وقت نہیں ہوتے اس دَوران دلّی اور جماعتوں میں آئے بہت سے لوگ اپنے ذاتی اور خانگی مسائل اور بعض مریض علاج کے سلسلے میں جمع ہوتے تھے، جس کی وجہ سے ایک بڑا ہجوم جمع ہوجاتا تھا، خاص کر جمعرات کے دن یہ ہجوم اور بڑھ جاتا، جس کی وجہ

سے دوچھتی پر مقیم دوسرے بزرگوں کے آرام اور معمولات میں خلل واقع ہونے لگا۔

جب ہجوم زیادہ بڑھنے لگا تب بعض بزرگوں نے درخواست کی کہ آپ جمعرات کے دن عصر تا عشاء دوچھتی میں نہ رہیں؛ تاکہ لوگ عصر کے بعد اور مغرب کے بعد کے بیان میں شریک ہوسکیں، نادر صاحب کی کسرنفسی اور اخلاص کی بات تھی کہ بلاکسی تردد کے فوراً قبول فرمالیا اور مسجد قریش میں عصر مغرب کی نماز ادا فرماتے اور وہیں پر اپنے معمولات پورا فرماتے؛ کیوں کہ ان کے اندر مقناطیسی کشش تھی، اس لیے بعد میں وہاں بھی لوگ جانے لگے، حالانکہ اکثر نادر صاحب لوگوں کو ترغیب دیتے کہ اجتماعی اعمال میں شریک ہوں۔

ان کے قیام کے آخر میں کچھ ایسے اُمور پیش آئے جس سے بزرگوں کو تشویش ہونے لگی، نادر صاحب میرے علم کے مطابق پہلے شخص تھے جنہوں نے اس سلسلے میں حق گوئی کا مظاہرہ فرمایا اور مشورہ کے دَوران بغیر مرعوب ہوئے اپنی رائے کو دیانت داری کے ساتھ پیش فرمایا، ایک بار چند حضرات نے ان کے کمرہ میں پہنچ کر کچھ نامناسب سلوک کیا، نادر صاحب نے اس کا بھی کوئی اثر نہیں لیا اور بڑی بہادری کے ساتھ مشورے میں بتایا کہ میرے ساتھ یہ حادثہ پیش آیا، نادر صاحب بہت ہی حساس تھے، طبیعت پر حالات کا بہت اثر ہوا اور صحت متأثر ہونے لگی؛ اس لیے مجبوراً وہاں کا قیام ترک کردیا اور علی گڈھ اپنے صاحبزادگان کے یہاں کرائے کے مکان میں رہنے لگے، کبھی کبھی علاج کے لیے اپنے داماد ڈاکٹر محسن ولی صاحب کے یہاں اور بعض مرتبہ دوسرے داماد نسیم صاحب کے پاس تشریف لے جاتے۔

علی گڈھ کے قیام میں جب تک ان کی صحت قدرے غنیمت تھی، ساڑھے گیارہ سے ساڑھے بارہ بجے دن میں عام لوگوں کو ملنے کی اجازت تھی؛ چنانچہ ان کا کمرہ پورا بھر جاتا تھا اور اکثر لوگوں کو بیٹھنے کی جگہ نہیں ملتی، لوگ کھڑے ہی رہتے، بعض مرتبہ نادر صاحب خود کلام فرماتے اور کبھی بعض اکابر کی کتابیں پڑھوا کر سنواتے، اس درمیان جب طبیعت زیادہ

خراب ہوجاتی تو ملاقاتوں کا سلسلہ منقطع فرمادیتے، آخری عمر میں جب ضعف زیادہ بڑھ گیا اور چلنا پھرنا موقوف ہوگیا، کمرہ ہی میں نماز ادا فرماتے، آخری عمر تک ان کی یادداشت اور بلند ہمتی اور عزائم جوانوں کی طرح تھے، آخر میں ان کو دماغی خشکی اور عمر کی زیادتی کی وجہ سے نیند بہت کم آتی؛ لیکن کسی طرح دماغی ضعف یا نسیان لاحق نہیں ہوتا، اکثر اوقات ذکر، مطالعہ اور عبادت میں گزارتے، بیماری کے دَوران ملک کے مختلف حصہ سے مشائخ، علماءِ کرام اور تبلیغ میں لگے ہوئے حضرات علی گڈھ تشریف لے آتے، آپ اپنی بیماری اور ضعف کے باوجود ان حضرات کو وقت دیتے، نادر صاحب کے ۴؍بیٹے اور ۲؍بیٹی سبھی نادر صاحب سے محبت کرتے اور خدمت کرنے میں پیش پیش رہتے، بچیوں سے خاص طور پر لگاؤ تھا اور بچیاں بھی یہی چاہتی تھیں کہ زیادہ سے زیادہ قیام گھر پر رہے؛ تاکہ خدمت کا موقع ملے، ان کے پوتے، پوتیاں ان سے والہانہ محبت فرماتے، نادر صاحب کے اندر خاص خصوصیت یہ تھی جو بھی ان سے ملتا وہ یہی سمجھتا کہ نادر صاحب کو مجھ سے بہت محبت وتعلق ہے، جمال پور کے عبدالماجد اور شہر کے بھائی ضیاء اور حکیم احسان الٰہی سے خصوصی لگاؤ تھا اور جب بھی کوئی کام ہوتا بے تکلف یاد کرلیا کرتے تھے اور یہ لوگ بھی فوراً آجاتے تھے اور خوشی خوشی اپنی سعادت سمجھ کر انجام دیتے تھے۔

حضرت جی کے انتقال کے بعد میل وشارم کے ایک صاحب خیر جناب ہاشم صاحب جو چمڑے کے بڑے تاجر ہیں اور خیر کے کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور وہاں پر ایک دارالعلوم اپنے خرچ سے چلاتے ہیں، انھوں نے دارالعلوم کے احاطے میں ایک شاندار مسجد بھی بنوائی ہے، سب سے پہلے انھوں نے فقیہ الامۃ حضرت مفتی محمودالحسن صاحب گنگوہیؒ کا رمضان میں اعتکاف کرایا، کافی بڑی تعداد میں دوسرے حضرات نے بھی دوسرے عشرہ میں اعتکاف کیا، جس سے لوگوں کو روحانی طور پر بہت فائدہ ہوا، ان کے انتقال کے بعد قاری امین صاحب جو حضرت کے خلیفہ ہیں، اُنہوں نے تاحیات اس

سلسلہ کو جاری رکھا، قاری صاحب کے زمانے میں نادر صاحب نے بھی بنگلے والی مسجد سے ایک ماہ کی چھٹی لے کر وہاں مستقل رمضان المبارک کا مہینہ گزارنے کا پروگرام بنایا، نادر صاحب وہاں مدراس آنے جانے کا کئی ماہ قبل خود ہی ٹکٹ کرالیا کرتے تھے۔ ہاشم صاحب اور ان کے صاحبزادے حضرت مولانا ابراہیم صاحب دامت برکاتہم اصرار کرتے تھے کہ آنے جانے کا ٹکٹ ہماری طرف سے ہوجایا کرے؛ لیکن نادر صاحب منع فرماتے اور کہتے کہ مَیں اس لیے آتا ہوں کہ میرے اندر اخلاص پیدا ہوجائے۔

وہاں کے قیام کے زمانے میں دعوت کے تقاضوں میں بھی نادر صاحب کا استعمال ہوتا اور تشکیل بھی فرماتے، کئی مرتبہ وہاں کے خواص کی تشکیل بھی ہوئی اور کئی مرتبہ وقت بھی لگایا، بندہ کو بھی وہاں کئی بار جانے کو موقع ملا، آخری عشرہ میں وہاں عجیب پُر کیف منظر ہوتا تھا، آخر عشرہ میں اعتکاف کرنے والوں کی تعداد کم وبیش ایک ہزار سے تجاوز کر جاتی، ہاشم صاحب اوران کے خاندان کے چھوٹے بڑے سبھی حضرات خود بنفسِ نفیس خدمت کرتے، خود آخیر میں اپنی ضروریات سے فارغ ہوتے، افطار کھانے، سحری اور چائے کا بہترین انتظام ہوتا تھا، قاری صاحب کی حیات تک نادر صاحب کے جانے کا سلسلہ برابر جاری رہا، قاری صاحب بھی جناب نادر صاحب سے بے حد محبت فرماتے تھے، انھوں نے آپ کو خلافت اور اجازت بھی عطا فرمائی، بعض حضرات کی طرف سے نادر صاحب پر تنقیدی جملے بھی سننے کو ملے کہ اتنی دنوں میں بھی دعوت اور تبلیغ کی وجہ سے آپ کی اصلاح نہیں ہوئی کہ آپ دُور دراز کا سفر اس وجہ سے کرتے ہیں؛ لیکن نادر صاحب پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا، وہ پوری استقامت کے ساتھ بزرگوں کے طریق پر گامزن رہے۔

نادر صاحب کو اللہ نے بلا کی صلاحیت عطا فرمائی تھی اور آپ کو مطالعے کا بھی بہت شوق تھا، مختلف مذاہب کی کتابوں کا بھی آپ نے مطالعہ کیا تھا، تصوف سے متعلق آپ کا مطالعہ بہت ہی زیادہ وسیع تھا۔

سب سے پہلا چلہ آپ کا بنگال اور کلکتہ میں لگا، جن میں ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب وغیرہ حضرات تھے، آپ کو کھانے میں لوکی پسند تھی؛ اِس لیے یہ حضرات آپ کی بڑی رعایت فرماتے تھے۔

اس کے بعد نادر صاحب پورے طور سے اس کام میں لگ گئے اور پابندی سے اجتماع وشب گزاری اور سہ روزہ میں اپنا وقت لگاتے تھے، اندرون وبیرون آپ کے بہت سے اسفار ہوئے، جس علاقے میں بھی آپ کا سفر ہوتا وہاں دینداری کی لہر سی دوڑ جاتی تھی اور ہزاروں لوگ اس کام سے جُڑ جاتے تھے، امریکہ اور کناڈا میں کام کے شروع کرنے میں نادر صاحب کا بنیادی کردار رہا، امریکہ اور کناڈا کے کئی اسفار ہوئے، اسی طرح South Africa، انڈونیشیا میں آپ کے اسفار ہوئے اور وہاں کے کام میں کافی تقویت پہنچی۔

امریکہ کا آخری سفر آپ کا ۱۹۸۳ء یا ۱۹۸۴ء میں ہوا، جہاں ایک حادثہ میں ہمارے دو حضرات شہید ہوئے اور وہاں ان کی قبریں بنیں اور نادر صاحب کو بھی سات فریکچر ہوئے اور اللہ نے فوری مدد فرمائی کہ آپ کو میڈیکل سہولت ملی اور آپ اسی حالت میں وطن واپس آئے۔ اللہ نے آپ سے ملک کے مختلف صورتوں میں ۳۵، ۴۰ سال تک کام لیا۔

نادر صاحب اپنا کوئی بھی لمحہ ضائع نہیں فرماتے تھے اور ذکر واذکار میں مشغول رکھتے تھے اور حضرت جی کا مقولہ اشاد فرماتے تھے کہ اگر کوئی کام نہ ہو تو سو جاؤ، دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے اور خود بھی اس پر عمل کرتے تھے، وقت کی پابندی کا آپ کے یہاں بہت اہتمام تھا اور برسوں آپ کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی تھی اور آپ ساتھیوں کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے اور تہجد کا بھی اہتمام فرماتے تھے، اسی طرح جب کوئی ساتھی وقت لگا کر آتا تھا تو اس سے معلوم فرماتے تھے کہ کتنی تکبیر اولیٰ اور تہجد فوت ہوئی۔

آپ نے آخری عمر میں علی گڑھ اور دوسری جگہوں پر بھی پُرانے ساتھیوں میں سے بہت سے لوگوں کو ذکر کی اور بیعت کی اجازت مرحمت فرمائی، بندے کا کیونکہ نصف صدی تک تعلق رہا، اس وجہ سے اگر آپ کے ملفوظات کو یکجا کیا جائے تو ایک کتاب مرتّب ہوجائے گی، اتنی طویل مدت تک آپ کے ساتھ رہنے اور ملفوظات سننے کا بندے کو جو موقع ملا اس کا خلاصہ پیش کررہا ہوں۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ صاحب نے اپنی کتاب ''پاجا سراغِ زندگی'' میں طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ: اگر کسی شخص میں قربانی اور اخلاص جیسی اعلیٰ صفات پیدا ہوجائیں تو اللہ اس کو سریا تک پہنچا دیتا ہے اور اگر کسی قوم میں یہ صفات پیدا ہوجائیں تو وہ قوم دوسری قوم پر غالب آجائے گی۔

نادر صاحب کے اندر ہم نے نمایاں طور پر یہ صفات دیکھیں اور اس کا مشاہدہ بھی کیا کہ وہ کسی بھی بڑی سے بڑی شخصیت سے بھی مرعوب نہیں ہوتے تھے اور بلا جھجک ہر ایک کو ایمان کی دعوت دیتے تھے، بگڑے سے بگڑا شخص بھی آپ کے پاس جاکر مرعوب اور متأثر ہوتا تھا اور اپنی اصلاح کی نیت لے کر واپس ہوتا تھا، آخری عمر تک آپ کے اندر سستی کا نام ونشان نہیں تھا، عمر بھر ہمیشہ ہمت افزائی اور اُمیدوار رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ اپنے ساتھیوں کی پیٹھ پیچھے خوبیاں بہت بیان کرتے تھے، جیسے آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کے مناقب بیان کیے تھے، نادر صاحب کے اندر یہ صلاحیت تھی کہ وہ اپنے ساتھیوں کی نیکیوں کو سراہتے تھے، جس کی وجہ سے ہر ایک آپ سے جُڑتا تھا، امت کا آپ کے اندر درد محسوس ہوتا تھا۔

علماء سے آپ کو خصوصی لگاؤ تھا، ان کا حد درجہ اکرام فرماتے تھے، آپ اپنے بیانوں میں فرماتے تھے کہ آج اکثر لوگ علماء سے دُور نظر آتے ہیں، حالانکہ دین کی جو شکل قائم ہے وہ آج ان حضرات کی قربانیوں کا نتیجہ ہے، علماء کے مجمع میں بھی مشورے سے آپ کا

بیان طے ہوتا تھا، جس سے لوگ انتہائی متأثر ہوتے تھے، بڑے بڑے اجتماعات میں بھی آپ کے بیانات ہوتے تھے؛ کیونکہ آپ کا تعلق اُردو زبان سے تھا؛ اِس لیے آپ کے بیانات میں مشکل الفاظ آتے تھے، پھر بھی لوگوں پر اس کا اچھا اثر ہوتا تھا، بیماری کے وقت میں بھی آپ لیٹے لیٹے لوگوں کو دعوت دیتے اور کتاب پڑھواتے تھے، ایک بار آپ نے فرمایا کہ اگر مسلمان وراثت میں بچیوں کا حصہ دینے لگیں تو نا جانے کتنی غیر مسلم خواتین اسلام قبول کرلیں گی؛ لیکن افسوس یہ ہے کہ ہم میں سے اکثریت اس سے غافل ہے۔

علی گڈھ مسلم یونیورسٹی سے بھی آپ کو خصوصی لگاؤ تھا، اس کے لیے آپ خصوصی طور پر دعا فرماتے تھے، جب بھی کسی قسم کے نامناسب حالات یونیورسٹی پر آجاتے تو آپ اپنی دعاؤں کو بڑھادیتے تھے اور دوسروں سے بھی اس کی دعا کرواتے تھے۔اھ (والد صاحب کا مضمون مکمل ہوا)

الغرض! عزیمت واستقامت، اتباعِ سنت، دنیا سے بے رغبتی وقناعت شعاری، شفقت آمیز برتاؤ ونرم خوئی، مطالعہ میں محویت، معمولات کی پابندی، نظافت ونفاست، اعتدال وتوازن اور زہد کے ساتھ سلیقہ مندی؛ نادر صاحب کی شخصیت کے عناصر ترکیبی تھے، ان کی شخصیت میں جو ہمہ جہتی تھی وہ بہت کم دیکھنے کو ملتی ہے، واقعی وہ نادر تھے، ان کی وفات تینوں حلقوں کا یکساں نقصان ہے، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ نادر صاحب کی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور ان پر اپنی رحمتیں نازل فرما کر انہیں دار آخرت کا سکون اور چین نصیب فرمائے اور ان کے صاحبزادگان اور آل اولاد کو صبر جمیل عطا فرمائے، ان کے دینی وروحانی ورثاء کو ان کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین، ثم آمین۔

محمد مصعب عفی عنہ

خادم دار الافتاء، دار العلوم دیوبند

۱۶ صفر ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۵ ستمبر ۲۰۲۱ء

❑❖❑

مکتبۃ الحرمین دیوبند
MAKTABA AL HERMAIN DEOBAND
PIN-247554 U.P. India PH:8979354752